حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی کے متعلق غلط بیانیوں کا جواب

مجھ کو بس ہے وہ خدا عہدوں کی کچھ پرواہ نہیں ؛ ہو سکے تو خود بنو مہدی بحکم کردگار
(حضرت مسیح موعودؑ)

انبیاء کرام فطرتی طور پر خلوت پسند ہوتے ہیں۔ انہیں شہرت سے بہت نفرت ہوتی ہے۔ اور اگر قدرت کا زبردست ہاتھ ان کو کھینچ کر باہر نہ لے آتا وہ ہمیشہ کے لئے گوشۂ تنہائی کو ہی کنج عافیت سمجھتے اور کبھی دنیا کے سامنے نہ آتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے دعوے کے متعلق جلدی نہیں کرتے۔ ان کی کمال سادگی ان کے دعوے کی سچائی کی زبردست دلیل ہوتی ہے اور اُن کی عدم بناوٹ پر بیّن گواہ۔ وہ خدا تعالیٰ کے بُلوانے سے بولتے اور اس کی اطاعت میں محو رہتے ہیں۔ خود حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صحیح حدیث میں لکھا ہے کَانَ یُحِبُّ مُوَافَقَۃَ اَھْلِ الْکِتَابِ فِیْمَا لَمْ یُؤْمَرْ بِہٖ (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ باب فی سدل النبی شعرہ) کہ حضورؐ اُن امور میں اہل کتاب سے موافقت رکھنے کو پسند فرماتے جن میں آپؐ مامور نہ ہوتے تھے۔ یعنی جب تک خدا تعالیٰ کی وحی صراحت کے ساتھ آپؐ کو کسی بات کے ماننے یا کرنے کا حکم نہ دیتی آپؐ اپنے سے پہلے اہل کتاب کے طریق پر عامل رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا تَلَوْتُہٗ عَلَیْکُمْ وَلَآ اَدْرٰکُمْ بِہٖ۔ اے رسول کہدے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا منشاء نہ ہوتا تو میں یہ تعلیم تم کو نہ سناتا۔ یعنی میں تو ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتا ہوں اور جب جب اور جو جو حکم آتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں اس میں میرا کیا قصور ہے؟

اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے جب یہود نے پوچھا کہ کیا تو موعود

ایلیا ہے تو آپ نے انکار فرما دیا (یوحنا ۱/۲۱) حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کے حق میں صاف فرمایا تھا کہ وہی موعود ایلیا ہیں (متی ۱۱/۱۴-۱۵) حضرت یحیٰی کا انکار یہود کی ٹھوکر کا موجب ہوا۔ مگر یہ سب واقعات اس حقیقتِ ثابتہ کو ظاہر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے نبی کس قدر محتاط اور بے نفس ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پہلی وحی ہوئی تو حضورؐ نے فوراً شور نہ مچا دیا کہ میں نبی اور رسول ہوں بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے گھر میں حضرت خدیجہؓ سے سب حالات بیان کیے اور وہ آپ کو ورقہ ابن نوفل عیسائی کے پاس لے گئیں اور سارا ماجرا بیان کیا۔ ورقہ نے سب سے پہلے کہا:۔

ھٰذا النا موسُ الّذی اُنزِلَ علیٰ موسیٰ۔ (بخاری جلد اوّل صٓ مطبوعہ مصر)

یہ تو وہ فرشتہ (جبرائیل) ہے جو حضرت موسیٰ پر شریعت لیکر آیا تھا (یعنی آپ بھی صاحبِ شریعت رسول ہیں۔)

کئی نادان ہیں جو اس واقعہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ آپ اپنے دعوے کو نہ سمجھ سکے اور ورقہ کے کہنے پر آپ نے سمجھا۔ مگر یہ غلطی ہے۔ درحقیقت اس سارے واقعہ میں بھی نہایت خوبصورت پیرایہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نفسی اور سادگی عیاں ہے ورنہ کوئی کذاب اور منصوبہ باز ہوتا تو فی الفور اشتہار شروع کر دیتا۔

پھر اور دیکھیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء سے افضل تھے مگر جب تک حضورؐ کیلئے اس کی کامل تشریح نہ کر دی گئی کبھی حضورؐ نے اپنی فضیلت کا اعلان نہ فرمایا۔ بظاہر یہ موٹی بات تھی کہ جو ساری دنیا کے لئے رسول ہے اور جس پر یہ آیت قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف مکیہ ع) نازل ہو چکی ہو وہ بہرحال قومی اور ملکی رسولوں سے افضل ہوگا اور جو تا قیامت زندہ رسول ہے وہ وقتی اور محدود عرصہ کے انبیاء سے ممتاز ہوگا۔ مگر آپ نے عملاً جو کیا وہ یہ تھا کہ جب ایک مسلم اور یہودی کا حضرت موسیٰؑ اور آپ کی فضیلت پر نزاع ہو گیا تو آپ نے فرمایا لا تخیّروْنی علیٰ موسیٰ (مسلم جلد ۲ صٓ۳ فضائل موسیٰ) یعنی حضرت موسیٰؑ پر مجھے فضیلت مت دو۔ پھر ایک اور روایت میں حضرت یونسؑ کے متعلق فرمایا مَنْ قَالَ اَنَا خیرٌ مِن یونس بن متی فقد کذب (ترمذی جلد ۲ صلہ ۱۵) یعنی جو اپنے آپ کو یونسؑ سے بڑا کہے وہ کاذب ہے۔ لیکن جب بارگاہِ ایزدی سے آپ کی افضلیت کا کھلا کھلا اعلان کیا گیا تو آپ نے فرما دیا۔ "اَنَا سیّد وُلدِ آدم ولا فخر۔ میں سب آدم زادوں کا سردار ہوں" اب کیا

کوئی بے وقوف یہ سوال کر سکتا ہے کہ پہلے آپؐ نے یونسؑ سے افضل ہونے سے انکار کیا ہے اور اب سب نبیوں سے افضلیت کا دعویٰ ہے تو اس میں تضاد ہے؟ کیونکہ دراصل نبی اپنی مرضی سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے حضورؐ پر تصریح نہ فرمائی آپؐ اپنی انکساری اور خاکساری کے ماتحت عدم افضلیت کا ذکر فرماتے رہے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو افضل کہا تو آپؐ نے بھی اعلان کر دیا۔

بعینہٖ یہی حال سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے۔ نادان مخالف ان کی ترقیات کو ارتقائی کہہ کر ان کے جھوٹے ہونے کی دلیل گردانتا ہے حالانکہ یہ بات صداقت کی زبردست دلیل ہے کہ جب تک وحیٔ الٰہی نے کھول کر نہ بتا دیا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام وفات پا گئے ہیں آپؑ اُن کی زندگی کا اعلان کرتے رہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس راز کو آپؑ پر کھول دیا تو آپؑ نے صفائی سے اس کا اظہار فرما دیا۔ یہ بات آپؑ کی سچائی کی دلیل ہے۔ ورنہ اگر آپؑ نے منصوبہ بنایا ہوتا تو کبھی بھی حضرت مسیحؑ کی زندگی کے متعلق اتنا زور نہ دیتے۔ چنانچہ جب حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ پر علماء نے اعتراض کیا تو آپؑ نے تحریر فرمایا:۔

(الف) "کیا کیا اعتراض بنا رکھے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ مسیح موعود کا دعویٰ کرنے سے پہلے براہین احمدیہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا اقرار موجود ہے۔ اے نادانو! اپنی عاقبت کیوں خراب کرتے ہو۔ اس اقرار میں کہاں لکھا ہے کہ یہ خدا کی وحی سے بیان کرتا ہوں اور مجھے کب اس بات کا دعویٰ ہے کہ میں عالم الغیب ہوں؟ جب تک مجھے خدا نے اس طرف توجہ نہ دی اور بار بار نہ سمجھایا کہ تُو مسیح موعود ہے اور عیسیٰ فوت ہو گیا ہے تب تک میں اُسی عقیدہ پر قائم تھا جو تم لوگوں کا عقیدہ ہے۔ اسی وجہ سے کمال سادگی سے میں نے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی نسبت براہین میں لکھا ہے جب خدا نے مجھ پر اصل حقیقت کھول دی تو میں اس عقیدہ سے باز آ گیا۔ میں نے بجز کمال یقین کے جو میرے دل پر محیط ہو گیا اور مجھے نور سے بھر دیا۔ اس رسمی عقیدہ کو نہ چھوڑا۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۶)

(ب) "چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اِس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر سے نازل ہوں گے۔ اسلئے میں نے خدا کی وحی کو

ظاہر پر عمل کرنا نہ چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا۔ لیکن بعد اس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی الٰہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تو ہی ہے۔ اور ساتھ اس کے صدہا نشان ظہور میں آئے اور زمین و آسمان دونوں میری تصدیق کے لیے کھڑے ہو گئے اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کر کے مجھے اس طرف لے آئے کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں۔ ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا جو میں نے براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کر کے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹)

کیا اس وضاحت بیان کے بعد یہ لکھنا کہ "براہین احمدیہ ص ۴۹۹ میں صاف صاف اقرار تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور ان کے ہاتھ سے دین اسلام پھیلے گا ..... بعد میں خود مسیح بن گئے۔" (عشرہ ص ۳۶) درست اور دیانتداری پر مبنی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر تحریر فرما دیا ہے:۔

"میں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر وہ گواہ ہو۔ وہ لکھنا جو الہامی نہ تھا محض رسمی تھا مخالفوں کے لیے قابل استناد نہیں کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعویٰ نہیں جب تک کہ خود خدا تعالیٰ مجھے نہ سمجھا دے۔" (کشتی نوح ص ۴۷)

عشرہ کاملہ کے مصنف نے اس دوسری فصل میں بیان کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب پہلے معمولی محرر تھے پھر مجدد، محدث، مسیح، مہدی، امام الزمان اور نبی بن گئے۔ ہمیں ان چھ امور سے اتفاق ہے۔ محرر ہونے کا ذکر اگرچہ طنزاً کیا گیا ہے مگر مصنف نے خود ہی طبع دوم کے دیباچہ میں لکھ دیا ہے کہ:۔

"میں نے مرزا صاحب کی مختلف اور مسلسل حالت کا اظہار کیا ہے اعتراض نہیں کیا۔" (ص ۵)

اسلیئے ہم اس کی طرف زیادہ توجہ دینا نہیں چاہیئے۔ اور یوں یہ بات نہایت واضح ہے کہ جب سید الاوّلین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی ملازمت کی۔ حضرت یوسفؑ نے فرعونِ مصر کے ماتحت خزانچی یا وزیر مال کے عہدہ پر مامور ہونے کو پسند کیا اور وفات تک اس عہدہ پر متعین رہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کی بھی بکریاں چراتے رہے جیسا کہ خود حضورؐ فرماتے ہیں۔ کُنْتُ اَرْعَاھَا عَلٰی قَرَارِیْطَ لِاَھْلِ مَکَّۃَ (بخاری جلد ۲ ص۳ کتاب الاجارۃ) کہ میں چند قیراط (معمولی پیمانہ یا سکہ) کے عوض اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔" تو پھر محرّر ہونے یا ملازم ہونے کا اعتراض ہی بالکل لغو ہے اور اسی لیئے وہ اسے واپس لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

مجدّدیت، محدّثیت، امام الزمان ہونا مہدویت و مسیحیت اور نبوّت کے دعوے کا وجود درست ہے مگر معلوم اس میں اجنبی کونسی بات ہے۔ اگر متنوّع دعاوی باعث اعتراض ہیں تو لیجیئے سنیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محمدؐ، احمدؐ، الماحی، الحاشر ہیں اور پھر مثیلِ موسٰی، وہ نبی، فارقلیط ہیں۔ بلکہ لکھا ہے۔ للہ سبحانہ تعالیٰ الف اسم ولہ صلی اللہ علیہ وسلم الف اسم بعضھا فی القرآن والحدیث وبعضھا فی الکتب القدیمۃ کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار اسماء ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہزار نام ہیں جن میں سے بعض قرآن مجید اور احادیث میں ہیں اور باقی دیگر کتب مقدسہ تورات و انجیل وغیرہ میں ہیں۔" (زرقانی شرح مؤطا جلد ۴ ص۲۴۲) تو کیا آپ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار کر دینگے؟

حضرت مرزا صاحبؑ موعود اُمم تھے۔ سب قومیں موعود آخر الزمان کی منتظر تھیں۔ کوئی زمین پر نگاہ رکھتا تھا اور کوئی آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھے بیٹھا تھا کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے حسب سنّتِ الٰہی دعوٰی فرمایا کہ میں سب قوموں کا موعود ہوں۔ میں مسیحیوں کا موعود ہوں اسلیئے مسیح بھی ہوں مسلمانوں کے لئے واجب التسلیم ہوں اس نسبت سے میرا نام مہدی ہے۔ وقس علی ھذا۔

پس یہ تنوّع قابلِ اعتراض نہیں بلکہ ایسا ہونا ضروری تھا تاکہ اسلام کی افضلیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکملیت پر ایک اور مُہرِ تصدیق ثبت ہو جائے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا تھا لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ مَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ (تفسیر فتح البیان جلد ۲ ص۲۴۶ وغیرہ) کہ اگر موسٰی اور عیسٰی زندہ ہوتے تو میری پیروی کے بغیر انہیں چارہ نہ تھا۔ اس حدیث میں آپؐ نے ایک طرف وفاتِ مسیحؑ کا اعلان فرمایا ہے دوسری طرف اپنی شان کا اظہار فرمایا ہے

کہ میری اتباع سے موسیٰ اور عیسیٰ ایسے اولوالعزم نبی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اب اگر کوئی بھی امتی مقام موسوی اور مقام عیسوی کا وارث نہ ہو تو یہودی اور عیسائی کہہ سکتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے، یا موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو میرے تابعدار ہوتے' دعویٰ بلا ثبوت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مختلف دعاوی موسیٰ، عیسیٰ، کرشن وغیرہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا ارشاد برحق ہے اور آپؐ کی قوت قدسیہ موسویت اور مسیحیت کیا بلکہ تمام گزشتہ انبیاء کے کمالات کا وارث کر دیتی ہے۔ پس حضرت مرزا صاحبؑ کے یہ دعاوی ہرگز ہرگز قابلِ اعتراض نہیں۔ آپؑ نے جو دعویٰ کیا اور جب دعویٰ کیا خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا۔ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھے اِن باتوں سے نہ کوئی خوشی ہے نہ کچھ غرض کہ میں مسیح موعود کہلاؤں، یا مسیح ابن مریم سے اپنے تئیں بہتر ٹھہراؤں۔ خدا نے میرے ضمیر کی اپنی اس پاک وحی میں آپ ہی خبر دی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے قُلْ اُجَرِّدُ نَفْسِیْ مِنْ ضُرُوْبِ الْخِطَاب یعنی ان کو کہہ دے کہ میرا تو یہ حال ہے کہ میں کسی خطاب کو اپنے لیے نہیں چاہتا۔ یعنے میرا مقصد اور میری مُراد ان خیالات سے برتر ہے۔ اور کوئی خطاب دینا یہ خدا کا فعل ہے میرا اس میں دخل نہیں ..... میرے لئے یہ کافی تھا کہ وہ میرے پر خوش ہو۔ مجھے اس بات کی ہرگز تمنّا نہ تھی۔ مَیں پوشیدگی کے حجرہ میں تھا اور کوئی مجھے نہیں جانتا تھا۔ اور نہ مجھے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے شناخت کرے۔ اس نے گوشۂ تنہائی سے مجھے جبراً نکالا۔ مَیں نے چاہا کہ مَیں پوشیدہ رہوں اور پوشیدہ مروں۔ مگر اس نے کہا کہ مَیں تجھے تمام دنیا میں عزت کے ساتھ شہرت دوں گا۔ پس یہ اس خدا سے پوچھو کہ ایسا تُو نے کیوں کیا؟" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۸-۱۴۹)

آپؑ نے بے شک نبوّت کا دعویٰ فرمایا مگر اس کے معنے یہ نہیں تھے کہ اب شریعت اسلامیہ منسوخ اور حضرت مرزا صاحب کسی نئے مذہب کے جاری کرنے والے ہیں بلکہ آپ ہی کے الفاظ میں یوں ہے کہ:۔

"چونکہ میرے نزدیک نبی اسی کو کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام یقینی قطعی بکثرت نازل ہو جو غیب پر مشتمل ہو اسلیئے خدا نے میرا نام نبی رکھا مگر بغیر شریعت کے۔" (عشرہ کاملہ ص۳۶ بحوالہ تجلیات الٰہیہ)

غرض مقام نبوتِ غیر تشریعی آپؑ کے دعاوی کا آخری مقام ہے۔ ہاں معاندین کے حق میں سعدی مرحوم فرما گئے ہیں ؎

ہُنر بچشمِ عداوت بزرگتر عیبے است
گل است سعدیؔ و در چشمِ دشمناں خار است

اہلِ دُنیا کو متنفر کرنے کے لیے مختلف اتہام لگاتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے خدا کا بیٹا، خدا کی بیوی، خود خدا، اور خدا کا باپ ہونے کا دعوےٰ کیا جیسا کہ مصنّف عشرہ کاملہ نے لکھا ہے۔ معاذ اللہ من ھٰذہ الخرافات۔

ہم لوگ جو حضرت مرزا صاحبؑ کو ماننے والے، ان کے کلام کو سمجھنے والے اور ان کی باتوں پر عمل کرنے والے ہیں، خدائے واحد کو حاضر و ناظر جان کر اعلان کرتے ہیں کہ یہ محض افتراء، جھوٹ، اور بہتان ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا اور نہ جماعت احمدیہ نے کبھی ایسا عقیدہ رکھا۔ وہ شخص مفتری اور مفسد ہے جو ایسی بات حضور اقدسؑ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسا کہ آریہ کہا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بت پرستی سے نکال کر رسول پرستی سکھائی اور اپنے الہامات مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ، اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ وغیرہ میں الوہیت کا دعویٰ کیا ہے (نعوذ باللہ) سچ ہے تَشَابَھَتْ قُلُوْبُھُمْ۔

خدا کا بیٹا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

؎ چوں کافر از ستم پرستند مسیح را
غیوری خدا ببرش کرد ہمسرم

مؤلف عشرہ کاملہ لکھتے ہیں:۔

"الہاماتِ ذیل سے مرزا صاحب نے خود کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ (حقیقۃ الوحی ص۸۶) اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ اَوْلَادِیْ (اربعین جلد ۴ ص۲۳) اِسْمَعْ وَلَدِیْ (البشریٰ جلد ۱ ص۴۹)" ص۳۲ عشرہ

الجواب (الف) پیش کردہ تین الہامات میں سے آخری یعنی اسمع ولدی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی الہام نہیں اور نہ ہی البشریٰ حضرت مسیح موعودؑ کی کوئی کتاب ہے۔ اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام اَسْمَعُ وَ اَرٰی (میں سنتا اور دیکھتا ہوں) بابو منظور الٰہی صاحب نے اپنے مرتبہ مجموعہ میں درج کیا جو کتابت کی غلطی سے بجائے وَ اَرٰی کے "وَلَدِی" بن گیا۔ چنانچہ دیکھئے بابو صاحب موصوف نے اپنی کتاب "البشریٰ" میں اس الہام کو بحوالہ "مکتوبات احمدیہ جلد اول صـ۲۳" درج کیا ہے اور مکتوبات احمدیہ میں صحیح الہام اَسْمَعُ وَ اَرٰی درج ہے۔ اور پھر خود بابو منظور الٰہی صاحب نے اس تصحیف کی تصحیح شائع کرادی ہے۔ لکھا ہے:-

"البشریٰ جلد اول صـ۴۹ سطر ۱ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام غلطی سے اسمع واریٰ کی بجائے اسمع ولدی چھپا ہے اور ترجمہ بھی اے میرے بیٹے سن، غلط کیا گیا ہے۔ افسوس کہ آج تک کسی دوست نے اس کی طرف توجہ نہ دلائی۔ میں اپنے ایک مہربان برادر کا بہت مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کی طرف مجھے توجہ دلائی۔ حوالہ مندرجہ البشریٰ اصل کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا کہ اصل الہام اسمع واریٰ ہے۔ جن احباب کے پاس البشریٰ ہو وہ اس غلطی کی اصلاح کرلیں۔"

(ملاحظہ ہو اخبار الفضل جلد ۹ نمبر ۹۶)

گویا یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ اگر کوئی کاتب آیت قرآنی کو غلط لکھ دے تو نادان اسی سے استدلال کرنا شروع کردے۔ ناظرین غور فرمائیں کہ کیا اس صورت میں مؤلف مذکور کو محقق کہا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(ب) حقیقۃ الوحی اور اربعین کے حوالہ سے جو الہام درج کئے گئے ہیں وہ درست ہیں مگر جس طرح تیسرے الہام میں لفظی مغالطہ سے کام لیا گیا تھا بعینہٖ اسی طرح ان اول الذکر الہاموں میں تحریف معنوی سے کام لیا گیا ہے۔ اگر ہم اس بات کو نظر انداز بھی کردیں کہ ملہم نے ان الہامات کی کیا تشریح کی ہے تب بھی یہ ہرگز محل اعتراض نہیں۔ کیونکہ اگر ان میں حضرت مرزا صاحبؑ کو بمنزلہ ولد اللہ قرار دیا گیا ہے تو قرآن مجید کی آیت فَاذْکُرُوا اللّٰہَ

کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ (البقرہ ع ۲۵) میں سب مومنوں کو بمنزلہ اولاد الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے اور خود باپ ہونے سے پاک ہے۔ نما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

(ج) ان الہامات میں حضرت مرزا صاحبؑ کو "بمنزلۃ ولدی" قرار دیا گیا ہے جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ عیسائیوں نے جس کو میرا بیٹا قرار دیا ہے تو اس کے مرتبہ پر ہے، حالانکہ تو بیٹا نہیں۔ پس نصاریٰ ابنیت مسیح کے عقیدہ میں غلطی پر ہیں۔ گویا "ولدی" کی اضافت **اعتقاد الناس** کی بناء پر ہے نہ کہ حقیقت کی بناء پر۔ اور یہ اسلوب بیان کلام قرآن مجید میں بکثرت وارد ہوا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ اَیْنَ شُرَکَآءِیْ ۙ قَالُوْۤا اٰذَنّٰکَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ ۚ (حٰم السجدہ ع ۶) کہ قیامت کے روز میں کہوں گا میرے شریک کہاں ہیں۔ وہ لوگ کہیں گے کہ ہم آپ کے سامنے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اس کا دعویدار یا گواہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں بتوں کو شُرَکَآءِیْ یعنی "میرے شریک" قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ شریکوں سے پاک ہے۔ مراد یہی ہے کہ وہ معبودانِ باطلہ جن کو تم لوگ میرا شریک قرار دیا کرتے تھے۔ اسی طرح بمنزلۃ ولدی کے معنے ہوں گے کہ تو اس میرے بیٹے کے ہم مرتبہ ہے جسے لوگ مثل نصاریٰ، میرا بیٹا گردانتے ہیں۔ اندریں صورت یہ الہام توحید الٰہی کے قیام اور الوہیت مسیح کے ابطال کے لئے نہایت زبردست ہتھیار ہے گویا عیسائی جس کو خدا اور معبود قرار دیتے ہیں اس کی شان کا انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں شامل ہے اس سے اسلام کی شوکت کا اظہار ہوگا۔ خود سیدنا حضرت مسیح موعودؑ حقیقۃ الوحی ص۸۶ کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

> "خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے اور یہ کلمہ (انت منی بمنزلۃ ولدی) بطور استعارہ کے ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں ایسے ایسے الفاظ سے نادان عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا ٹھہرا رکھا ہے اسلیئے مصلحت الٰہی نے یہ چاہا کہ اس سے بڑھ کر الفاظ اس عاجز کے لئے استعمال کرے تا عیسائیوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھیں کہ وہ الفاظ جن سے مسیح کو خدا بناتے ہیں اس اُمت میں بھی ایک ہے جس کی نسبت اس سے بڑھ کر ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔"

پھر دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

"جب عیسائیوں نے اپنی بدقسمتی سے اس رسول مقبول کو قبول نہ کیا اور اس عیسیٰ کو اتنا اُڑایا کہ خدا بنا دیا تو خدا تعالیٰ کی غیرت نے تقاضا کیا کہ ایک غلام غلمانِ محمدی سے یعنی یہ عاجز اس کا مثیل کر کے اس اُمت میں سے پیدا کیا اور اس کی نسبت اپنے فضل اور انعام کا زیادہ اس کو حصہ دیا۔ تا عیسائیوں کو معلوم ہو کہ تمام فضل خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین صلا۲)

غرض اس قسم کے جملہ الہامات اسی صداقت بیّنہ کے شاہد ہیں کہ سہ

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے ٭ جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

افسوس ان پر جو اب بھی اعتراض سے باز نہ آئیں۔

(ح) اولیاء اللہ کے محاورہ میں مجازی طور پر کسی ولی کو ولد کہنا بھی جائز ہے۔ مولانا روم ؒ فرماتے ہیں سہ

اولیاء اطفالِ حق اند اے پسر
در حضور و غیبت آگاہ باخبر
غائبے مندیش از نقصانِ شاں
کو کشد کیں از برائے جانِ شاں
گفت اطفالِ من اند ایں اولیا
در غریبی فرد از کار و کیا

(مثنوی دفتر سوم ص۱۳)

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ۔ مخلوق اللہ کی عیال ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے عیال کے ساتھ احسان کرتا ہے وہ خدا کا محبوب ترین بندہ ہے (مشکوٰۃ باب الشفقۃ) پھر ایک حدیث قدسی میں بھوکے ننگے اور پیاسے کی حاجت روائی کو خدا تعالیٰ کی حاجت روائی قرار دیا گیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف باب عیادۃ المریض ص۱۳۲ مطبوعہ مجتبائی)

اسی مفہوم کو مدّ نظر رکھ کر شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ؒ نے بائبل کے محاورہ "ابن" اور "ولد" کے متعلق تحریر فرمایا ہے :-

"دریں باب بلفظ شائع در ہر قوم تکلّم واقعہ شد، اگر لفظ ابناء بجائے محبوباں ذکر شدہ باشد چہ عجب؟" (الفوز الکبیر صٓ)

یعنی قرآن مجید میں ہر قوم کے شائع شدہ محاورہ کے مطابق کلام ہوا ہے۔ پس اگر محبوب کی بجائے لفظ ابن آجائے تو ہرگز جائے تعجب نہیں۔"

پھر مولوی محمد رحمت اللہ صاحب مرحوم مہاجر مکی اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"فرزند عبارت از عیسےٰ علیہ السلام است کہ نصاریٰ آنجناب را حقیقۃً ابن اللہ میدانند و اہلِ اسلام ہمہ آنجناب را ابن اللہ بمعنی عزیز و برگزیدہ خدا مے شمارند" (ازالۃ الاوہام صٓ۵۲)

یعنی مسلمان مسیح کے لئے ابن اللہ بمعنی برگزیدہ سمجھتے ہیں جو مجاز ہے۔ اب اگر کوئی عقلمند اس مجاز اور استعارہ کو حقیقت پر محمول کرنا چاہے تو اس کی غلطی ہے۔ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ اس قسم کے الفاظ محض مجازاً استعمال ہوتے ہیں۔

(۳) ایک انسان یہ پسند کرے گا کہ اس کے بھائی متعدد ہوں، بیٹے متعدد ہوں، ماموں ایک سے زیادہ ہوں۔ مگر کوئی انسان یہ سننے کی تاب نہیں رکھتا کہ اس کے باپ کئی ہیں۔ بلکہ ہر بیٹا درحقیقت اپنے باپ کی نسبت سے مقام توحید پر کھڑا ہوتا ہے اور وہ اس میں ثانویت کو فرض بھی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب ایک انسان کامل موحّد بن جاتا ہے تو گویا وہ مقامِ ولدیت پر آجاتا ہے۔ اسی کی طرف آیت قرآنی فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ میں اشارہ ہے اور اسی کی طرف حضرت مسیح موعودؑ کے زیر بحث الہامات میں اشارہ ہے۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا میں فانی ہونے والے اطفال اللہ کہلاتے ہیں لیکن یہ نہیں کہ وہ خدا کے درحقیقت بیٹے ہیں۔ کیونکہ یہ تو کلمۂ کفر ہے اور خدا بیٹوں سے پاک ہے بلکہ اسلئے استعارہ کے رنگ میں وہ خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں کہ وہ بچہ کی طرح دلی جوش سے خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اسی مرتبہ کی طرف قرآن شریف میں اشارہ کرکے فرمایا گیا ہے فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او اشدّ ذکرا۔ یعنی خدا کو ایسی محبت اور دلی جوش سے یاد کرو جیسا کہ بچہ اپنے باپ کو یاد کرتا ہے۔ اسی بناء پر ہر ایک قوم کی کتابوں میں اَب یا پتا کے

نام سے خدا کو پکارا گیا ہے اور خدا تعالیٰ کو استعارہ کے رنگ میں ماں سے بھی
ایک مشابہت ہے اور وہ یہ کہ جیسے ماں اپنے پیٹ میں اپنے بچہ کی پرورش
کرتی ہے ایسا ہی خدا تعالیٰ کے پیارے بندے خدا کی محبت کی گود میں پرورش
پاتے ہیں اور ایک گندی فطرت سے ایک پاک جسم انہیں ملتا ہے سو اولیاء
کو جو صوفی اطفال حق کہتے ہیں یہ صرف ایک استعارہ ہے ورنہ خدا اطفال
سے پاک اور لم یلد و لم یولد ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صل۱۴۳)

اس تصریح کی موجودگی میں اعتذار کا کوئی پہلو باقی نہیں رہتا۔ ملہم نے اپنے الہام
کی تشریح خود بیان کر دی۔

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کے لوگوں کو ان الہامات کے
بارہ میں جو ہدایت فرمائی ہے وہ حسب ذیل ہے۔ ہم ان متعدد عبارات میں سے بغرض اختصار
صرف دو حوالے درج کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

(۱) "یاد رہے خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور
نہ بیٹا ہے۔ اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا
بیٹا ہوں لیکن یہ فقرہ (انت منّی بمنزلۃ اولادی) اس جگہ قبیل مجاز
اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور فرمایا یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ
ایسا ہی بجائے قُلْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ کے قُلْ يٰعِبَادِيَ بھی کہا اور یہ بھی
فرمایا فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ۔ پس اس خدا کے کلام کو ہشیاری
اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ اور اس
کی کیفیت میں دخل نہ دو اور حقیقت حوالہ بخدا کرو اور یقین رکھو کہ خدا اتخاذ
ولد سے پاک ہے۔ تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں
پایا جاتا ہے۔ پس اس سے بچو کہ متشابہات کی پیروی کرو اور ہلاک ہو جاؤ۔
اور میری نسبت بیّنات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ وَّالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِي الْقُرْاٰنِ۔" (دافع البلاء ص۶)

(۲) حضورؑ اپنی کتاب کشتی نوح میں جماعت کو تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"وہ یقین کریں کہ اُن کا ایک قادر اور قیوم خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا، نہ کوئی اس کا بیٹا، وہ دُکھ اُٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔" (صنا)

پھر فرمایا :۔

"کیا بدبخت وہ انسان ہے جس کو اب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔" (صوا)

پس معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب اور جماعتِ احمدیہ کا اعتقاد صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے، اس کا کوئی بیٹا نہیں۔ حضرت مرزا صاحبؑ صرف اللہ کے محبوب اور برگزیدہ بندے ہیں وبس۔ لہٰذا مصنف عشرہ کاملہ کا یہ لکھنا کہ :۔

"مرزا صاحب نے خود کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا"

کھلا جھوٹ، صریح بہتان، اور محض افترا ہے ؎

افسوس کہ عالمانِ ایں دہر

کردند شعارِ خود دغا را

خدا کی بیوی ہونے کا دعویٰ

مصنف نے اس موقعہ پر نہایت دریدہ دہنی سے کام لیا ہے اور شرافت و تہذیب کو بکسر جواب دے دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے لکھا ہے :۔

"یہ تمہارا اچھا عشق باز خدا ہے۔ کبھی مرزا صاحب کو اولاد کہے اور کبھی بیوی بنا کر اس سے ہم صحبت ہو۔ کہیں تو شرم چاہیئے۔" (ص۳۴)

ہم ان الفاظ کا جواب نہیں دے سکتے اور اگر دیں تو کس کو؟ ہم سب انبیاء کو ماننے والے قرآن مجید کی اطاعت کرنے والے، تمام ائمہ اور بزرگانِ سلف کی طہارت کو ماننے والے ہیں۔ وہ ہمارے بزرگ ہیں ہم ان کو بُرا نہیں کہہ سکتے ؏

فَإِذَا رَمَيْتُ يُصِيبُنِي سَهْمِي

باقی رہے منشی محمد یعقوب اور اُن کے ہم نوا، سو اُن کی ہستی ہی کیا ہے ؏

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

پس ہم اس جگہ صرف ناظرین کی شرافت اور نجابت سے ہی اپیل کرتے ہیں کہ کیا یہ طریقہ تحقیق حق کا ہے؟

اس بیان کو مصنف نے پانچ شقوں میں تقسیم کیا ہے ہم بھی اسی طرز پر جواب لکھتے ہیں۔

اعتراض حیض کا جواب

(الف) مرزا صاحب کا حیض۔

مصنف موصوف لکھتے ہیں :۔

"یریدون ان یروا طمثک۔ اس الہام کی تشریح مرزا صاحب یوں بیان کرتے ہیں کہ" بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے یا کسی پلیدی اور ناپاکی پر اطلاع پائے مگر خدا تعالےٰ تجھے اپنے انعامات دکھلائے گا جو متواتر ہوں گے۔ اور تجھ میں حیض نہیں بلکہ وہ بچہ ہو گیا ہے جو بمنزلہ اطفال اللہ کے ہے۔ تتمہ حقیقۃ الوحی صہ۱۴۳ و اربعین ۴ صہ۲۳" (عشرہ صہ۳۲)

کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ اس عبارت میں یہ دعویٰ موجود ہے کہ مرزا صاحبؑ کو حیض آتا ہے؟ اس میں تو اس کی نفی کی گئی ہے اور اس کی تردید کرتے ہوئے "انعامات متواترہ" کا وعدہ دیا گیا ہے مگر معترض اس کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔

العجب ثم العجب۔

بایں ہمہ اس کے کئی جواب ہیں۔ اوّل اس الہام میں "یریدون" کا لفظ ہے یعنی دشمن تیرا حیض دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ فی الواقع تجھ میں حیض موجود بھی ہے۔ کیا دشمنوں کے ارادہ کرنے سے وہ بات ویسے ہی ہو جایا کرتی ہے؟ اگر یہ درست ہے تو بتلایئے کیا آیت یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ (توبہ ع) اور یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلَامَ اللّٰہِ (الفتح ع) سے یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ اللہ کا نور بجھ گیا اور اس کا کلام مبدّل ہو گیا؟ جس طرح ان آیات سے یہ استدلال غلط ہے ویسا ہی الہام مندرجہ بالا سے اثبات حیض کا دعویٰ باطل ہے۔

دراصل اس فقرہ میں نادان مخالفوں پر ایک طنز کیا گیا ہے کہ یہ اتنے احمق ہیں کہ جب ہم نے تجھے مریم قرار دیا تو ان لوگوں نے کہا کہ "پھر ہم حیض دیکھیں" حالانکہ تیرا مریم ہونا صرف صفاتی مشابہت کی بنا پر ایک استعارہ تھا۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ اپنی ناسمجھی کے

باعث پھر اسی بات پر معترض نظر آتے ہیں۔ سچ ہے لھم قلوبٌ لا یفقھون بھا۔

دوم ۔ ملہم یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود حیض کے معنی کی تشریح فرما دی ہے چنانچہ اربعین جلد ۴ صفحہ ۱۹ کے حاشیہ پر لکھا ہے:۔

"یہ لوگ خون حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں یعنی ناپاکی اور پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں اور خدا چاہتا ہے کہ اپنی متواتر نعمتیں جو تیرے پر ہیں دکھلا وے"۔

اس عبارت میں جلی قلم فقرہ میں حیض کا مفہوم "ناپاکی، پلیدی اور خباثت" قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بالمقابل "متواتر نعمتیں" دکھلانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ پس اگر ملہم کی تفسیر کو دیکھا جائے تب بھی کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا اور مصنف عشرہ خود لکھ چکا ہے کہ "صحیح تفسیر پیشگوئی کی مرزا صاحب ہی کر سکتے تھے کیونکہ بقول ان کے ملہم سے بڑھ کر الہام کے معنی کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ لہٰذا ان تحریروں کے خلاف جو کچھ بھی لکھا جائیگا لغو اور بیہودہ خیال کیا جائے گا" (تحقیق لاثانی صفحہ ۱۸) ناظرین کرام! فرمایئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور حضور کی تحریر کردہ تشریح و تفسیر کے خلاف خود پٹیالوی معترض نے لکھا ہے یا نہیں؟ اور اسی پر اپنے اعتراضات کی بنیاد رکھی ہے یا نہیں؟ یقیناً ایسا ہے تو وہ اعتراض بقول اسکے کیوں "لغو اور بیہودہ" خیال نہ کئے جائیں؟

سوم ۔ اولیاء امت کا اسلوب خاص تصوف کی جان ہے مگر ابتداء سے ظاہر پرست طبقہ ان پر معترض ہوتا رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کامل درجہ کے صوفی اور کامل متکلم تھے۔ آپ کے کلام میں ہر دو رنگ نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن "خشک ملاں"

---

[۱] یہ وہی حوالہ ہے جسے مصنف نے بار بار صفحہ ۲۳ سے منسوب کیا ہے۔ حالانکہ صفحہ ۲۳ پر یہ بالکل ذکر نہیں۔ مصنف نے مخالفین کی مختلف کتابوں سے نقل تو کر دیا مگر نقل را عقل باید پر توجہ نہ فرمائی۔ منہ

[۲] حضرت کے الفاظ میں صرف الہام کا لفظ ہے جیسا کہ انت منی بمنزلۃ ولدی وغیرہ ہیں۔ پیشگوئیوں والے الہامات کی تفسیر کا کلی طور پر قبل از وقت ملہم پر کھل جانا ضروری نہیں۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:۔ "ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ پیش از وقت کسی پیشگوئی کی پوری حقیقت نہیں کھلتی اور ممکن ہے کہ انسانی تشریح میں غلطی بھی ہو جائے اسلئے کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی کسی پیشگوئی کے سمجھنے کرنے میں کبھی غلطی نہ کھائی ہو"۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ضمیمہ صفحہ ۸۶)

اپنی کوتاہ علمی یا شرارت کی بنا پر اسی سے عوام کو مشتعل کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں صوفیاء کرام کی چند شہادات پیش کرتے ہیں جن سے اس باب میں بہت وضاحت ہو جائے گی۔

(۱) **پہلی شہادت**۔ شیخ فریدالدین صاحب عطارؒ لکھتے ہیں:۔

"جیسے عورتوں کو حیض آتا ہے ایسا ہی ارادت کے راستے میں مریدوں کو حیض آتا ہے۔ اور مرید کے راستہ میں جو حیض آتا ہے تو وہ گفتار سے آتا ہے اور کوئی مرید ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس حیض میں ہی پڑا رہتا ہے اور کبھی اس سے پاک نہیں ہوتا۔ اور ایسا آدمی بھی ہوتا ہے کہ اس کو حیض نہیں آتا ہمیشہ پاکی میں رہتا ہے۔" (تذکرۃ الاولیاء اردو ص۲۶۴ در ذکر ابوبکر واسطیؒ)

(۲) **دوسری شہادت**۔ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:۔

"کما انّ للنساء حیضًا فی الظاهر وهو سبب نقصان ایمانهنّ لمنعهنّ عن الصلاۃ والصوم فکذٰلك للرجال حیض فی الباطن وهو سبب نقصان ایمانهم لمنعهم عن حقیقة الصلاۃ۔"

ترجمہ۔ جس طرح عورتوں کے لئے ظاہری حیض ہوتا ہے اور وہ اُن کے ایمان میں کمی کا موجب ہو جاتا ہے کیونکہ ان کو نماز اور روزہ سے روک دیتا ہے۔ اسی طرح مردوں کو بھی ایک باطنی حیض آتا ہے جو اُن کے ایمان کی کمی کا سبب ہوتا ہے کیونکہ وہ ان کو نماز کی حقیقت سے بے بہرہ کر دیتا ہے۔"

(روح البیان ص۲۳۶ جلد اوّل)

(۳) **تیسری شہادت**۔ حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقالہ ۲۶ کو "لا تکشف البرقع والقناع ..... عن وجهك" سے شروع فرمایا ہے جس کی شرح میں شیخ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"در تعبیر برقع و قناع کہ از لباس نساء است اشارتست باآنکہ مرد تا ظہور کمال و تحقیق بربان توحید حکم زناں دارد و دعویٰ مردانگی از وے درست نیاید۔" (فتوح الغیب ص۱۴۶ مطبع نولکشور کانپور)

کہ ظہورِ کمال تک مرد بھی بمنزلہ عورت کے ہوتا ہے اسی میں ہر طالب کو بمنزلہ عورت قرار دیا ہے۔ یہ لطیف استدلال آیت قرآنی وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا

امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ ۔ الآیات (تحریم ع۲) سے مستنبط ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو فرعون کی بیوی یا مریم سے مشابہ قرار دیا ہے۔ بعض ان میں سے صفتِ آسیہ سے متصف ہوتے ہیں اور بعض مریمی رنگ سے رنگین ہوتے ہیں مگر نادان اس حالت میں حیض کا معترض ہوتا ہے۔ ویل لھم وفیما یکتبون ۔

اِس بیان سے ظاہر ہے کہ مخالف حقیقت مصنّف عشرہ کاملہ نے جو ناپاک الزام سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لگایا تھا وہ سرتا پا غلط اور صوفیاء و اولیاء سے قدیمی معاندت کا نتیجہ ہے۔

نطفہ کے اعتراض کا جواب

(ب) مصنّف عشرہ لکھتے ہیں :-

" انت من ماءنا وھم من فشل ۔ یعنی اے مرزا تو ہمارے پانی (نطفہ) سے ہے اور دوسرے لوگ خشکی سے ۔ (اربعین نمبر ۲ ص۳۹) " ص۳۲

الجواب (۱) انت من ماءنا وھم من فشل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام تو اربعین ص۲ میں درج ہے مگر مندرجہ بالا ترجمہ بالخصوص لفظ "نطفہ" مصنّف کی "ایجادِ گندہ" ہے۔ حضرت مسیح پاکؑ نے اِس عربی الہام کی جو تشریح اربعین سے بھی بہت پہلے رقم فرمائی ہے وہ حسب ذیل ہے :-

" یہ جو فرمایا کہ تو ہمارے پانی میں سے ہے اور وہ لوگ فشل سے۔ اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی ، استقامت کا پانی ، تقویٰ کا پانی ، وفا کا پانی ، صدق کا پانی ، حُبّ اللہ کا پانی ہے جو خدا سے ملتا ہے ۔ اور فشل بزدلی کو کہتے ہیں جو شیطان سے آتی ہے ۔ اور ہر ایک بے ایمانی اور بدکاری کی جڑ بزدلی اور نامردی ہے ۔ " (انجام آتھم ص۵۶ حاشیہ)

کیا اس قدر وضاحت کے باوجود مغالطہ دہی سراسر شرارت نہیں ؟ ؎

منصفو ! کیوں ! اب تو دیکھا رنگ اس عیار کا
اب تو کہدو کیا یہ موقع تھا اسی گفتار کا

(۲) اگر " خدا کا پانی " نطفہ کو ہی کہتے ہیں تو کیا فرماتے ہیں علماءِ غیر احمدیان اِس آیت قرآنی کے متعلق جس میں فرمایا ہے :- وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء ع۲)

کہ ہم نے ہر زندہ چیز کو اپنے پانی سے بنایا ہے۔ کیا ہر چیز (معاذ اللہ) خدا کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے؟ السماء خدا کا ہی پانی ہے جو مخلوقات کو بنانے والا ہے۔ نیز حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے:۔ فتلک امکم یا بنی ماء السماء" کہ اے ماء السماء کے بیٹو! یعنی اے اہل عرب! یہی حضرت ہاجرہؓ تمہاری والدہ ہیں (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ باب فضائل ابراھیم) اس حدیث میں تمام اہل عرب کو ماء السماء کے بیٹے کہا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا سب عرب کے باشندے آسمان کے نطفہ سے پیدا ہوئے تھے؟ اور کیا آسمان کا بھی کوئی نطفہ ہوتا ہے؟ لازماً ماننا پڑے گا کہ یہ معنی غلط ہیں۔ پس اسی طرح انت من ماءنا میں اللہ تعالیٰ کا نطفہ قرار دینا بھی باطل اور خلاف تفسیر، علم و عربی زبان ہے۔

(۳) مصنف نے "ماءنا" کے معنے تو خدا کا نطفہ" بنا لئے مگر "من فشل" پر غور نہ کیا کہ پھر اس کے کیا معنی ہوں گے۔ کیا بزدلی بھی کوئی ایسی چیز ہے جس سے انسان پیدا کئے جاتے ہیں؟ وہ اس امر پر غور تو تب کرتے جب انہیں حقیقت کی جستجو ہوتی۔ عربی زبان میں بطور مبالغہ لفظ مِنْ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ہ (الانبیاء ع ۲) انسان جلدبازی سے پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی انسان بہت جلدباز ہے۔ چنانچہ لغت کی کتاب مجمع البحار میں بھی لکھا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ: ای بولغ فی صفته به (جلد ۲ صفحہ ۲۵۰)

علامہ جلال الدین السیوطی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"ای انه لکثرة عجله فی احواله کانه خلق منه۔"

پھر اس کے حاشیہ پر لکھا ہے:۔

"ان ذالک علی المبالغة جعلت ذات الانسان کانها خلقت من نفس العجلة دلالةً علیٰ شدّة اتصاف الانسان بها ذاتها مادته التی اخذ منها" (جلالین مجتبائی صفحہ ۲۷۰)

گویا "من عجل" کے معنی نہایت جلدباز ہیں۔ اسی طرح "من فشل" کے معنی ہونگے نہایت بزدل اور ضعیف۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا من ماءنا ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ حضورؑ اس زمانہ کی پیاس اور مردنی دور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے آبحیات کا حکم رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضورؑ نے خود فرمایا ہے ؎

میں وہ پانی ہوں جو اترا آسماں سے وقت پر
میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

ایک دوسرے موقعہ پر لوگوں کو دعوت دیتے ہوئے لکھا ہے ؎

فان شئت ماء الله فاقصد مناهلی
فیعطلك من عین و عین تسنود

(کرامات الصادقین)

کہ اگر تم خدا کا پانی چاہتے ہو تو میرے گھاٹ پر آؤ۔ تمہیں چشمہ نصیب ہوگا جس سے نورانیت حاصل ہوگی۔"

ایک نہایت گندے اعتراض کا جواب

(ج) "اللہ تعالیٰ سے ہم بستری اور زنا شوئی کا الزام"

مصنّف مذکور نے اِس عنوان کے ماتحت ایک خبطی قاضی یار محمد صاحب کی روایت درج کی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ میں کشف میں عورت بن گیا الخ۔ ہم اِس بیان کو سراسر جھوٹ اور افترا سمجھتے ہیں۔ یہ محض اس کے دماغی نقص کا نتیجہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی ایسا نہیں فرمایا اور نہ ہمارے مسلّمات میں داخل ہے۔ جماعت احمدیہ ایسے لوگوں کی ذمہ دار نہیں۔ کیا مصنّف عشرہ کو احادیث کا طومارِ وضعیات معلوم نہیں جنہیں ہمیشہ دشمنانِ اسلام پیش کرتے رہتے ہیں؟ اِس قسم کی ہفوات کو سند میں پیش کرنا انتہائی سفاہت کی دلیل ہے وبس۔

استعارہ کے رنگ میں حمل کا جواب

(د-ہ) اِن دونوں شقّوں کے عنوان مصنّف عشرہ نے "استقرارِ حمل" اور "دردِ زِہ" رکھے ہیں۔ اور کشتی نوح ص ۴۷ کی عبارت پیش کی ہے جہاں لکھا ہے:-

"مریم کی طرح عیسٰی کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی اور **استعارہ کے رنگ** میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا الخ" (عشرہ ص ۳۲)

الجواب

اوّل۔ چونکہ اصل عبارت میں لفظ "استعارہ کے رنگ میں" موجود ہے اسلئے واضح بات ہے کہ یہ **ولادتِ معنوی** ہے جو اہلِ تصوّف کے محاورات میں بکثرت مستعمل ہے۔ چنانچہ امام الطائفہ الشیخ السہروردی فرماتے ہیں:-

"يصير المريد جزء الشيخ كما ان الولد جزء الوالد في الولادة الطبيعية و تصير هذه الولادة انفاً ولادة معنوية كما ورد عن عيسى صلوات الله عليه، لن يلج ملكوت السماء من لم يولد مرتين فبالولادة الاولى يصير له ارتباط بعالم الملك و بهذه الولادة يصير له ارتباط بالملكوت، قال الله تعالىٰ و كذالك نُري ابراهيم ملكوت السموات والارض وليكون من الموقنين وصرف اليقين على الكمال يحصل في هذه الولادة وبهذه الولادة يستحق ميراث الانبياء ومن لم يصله ميراث الانبياء ما وُلِدَ وان كان على كمال من الفطنة والذكاء" (عوارف المعارف جلد اول ص۱)

ترجمہ - مرید اپنے شیخ کا اسی طرح حصہ بن جاتا ہے جس طرح کہ ولادتِ طبعی میں بیٹا اپنے باپ کا حصہ ہوتا ہے - مرید کی ولادت ولادتِ معنوی ہوتی ہے حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دو دفعہ پیدا نہیں ہوتا وہ خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا - ولادتِ طبعی سے انسان کا دنیا سے تعلق ہوتا ہے اور ولادتِ معنوی سے ملکوتِ اعلیٰ کے ساتھ - یہی معنی اس آیت کے ہیں وکذالک نُری ابراھیم - خالص اور کامل یقین اسی ولادت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اس پیدائش کے باعث ہی انسان انبیاء کی وراثت کا مستحق ہوتا ہے جس شخص کو وراثتِ انبیاء نہ ملے وہ باوجود دانا و ہوشیار ہونے کے پیدا نہیں ہوا۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موتوا قبل ان تموتوا (حدیث) کہ مرنے سے پہلے موت قبول کر دو - یعنی حقیقی زندگی خواہشات پر موت وارد کرنے کے بغیر ناممکن الحصول ہے۔ گویا فرمایا کہ جب تم گناہ آلود جامہ کو سانپ کی کینچلی کی طرح بدل لو گے تب تم نئے انسان ہو گے - اسی کا نام اصطلاحِ تصوف میں ولادتِ ثانیہ ہے چنانچہ تمام صوفیاء اس لفظِ ولادت کو استعمال کرتے ہیں جضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے بھی استعمال فرمایا ہے۔

"پولوس رسول لکھتا ہے :-

"اگر کوئی مسیح میں ہے تو وہ نیا مخلوق ہے" (۲ - کرنتھیوں ۵/۱۷)

اب حضرتِ مسیح موعود علیہ السلام کے اس استعارہ پر اعتراض کرنا در اصل تمام اولیاءؒ

انبیاء کے روحانی محاورہ کی تغلیط کرنا ہے۔ افسوس کہ حقیقتِ صافیہ ان ناواقف لوگوں کی نظر میں موردِ طعن بن گئی۔ کیا کوئی اہلِ دل ہے جو مشہور صوفی حضرت سہل کے اس قول پر توجہ کرے۔ یعنی:۔

"اَلْخَوْفُ ذَکَرٌ وَالرَّجَاءُ اُنْثٰی مِنْھُمَا یَتَوَلَّدُ حَقَائِقُ الْاِیْمَانِ" (شرح التعرف ص)

اور ولادتِ معنویہ کی حقیقت کو سمجھ لے؟

دوم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے المخاض (دردِزہ) کی خود تشریح فرمادی ہے۔ حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

"میری دعوت کی مشکلات میں سے ایک رسالت اور وحی الٰہی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تھا۔ اسی کی نسبت میری گھبراہٹ ظاہر کرنے کے لئے یہ الہام ہوا تھا۔ فَاَجَاءَهُ الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۔ مخاض سے مراد اس جگہ وہ امور ہیں جن سے خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں اور جذع النخلۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی اولاد مگر صرف نام کے مسلمان ہیں۔ بامحاورہ ترجمہ یہ ہے کہ دردانگیز دعوت جس کا نتیجہ قوم کا جانی دشمن ہوجانا تھا اس مامور کو قوم کے لوگوں کی طرف لائی جو کھجور کی خشک شاخ یا جڑ کی مانند ہیں۔ تب اس نے خوف کھا کر کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مرجاتا اور بھولا بسرا ہوجاتا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۳)

اس تشریح کو دیکھ کر کوئی منصف مزاج انسان اس الہام پر اعتراض نہیں کرسکتا۔
تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ بہرصورت ناجائز ہوتی ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا ہے:۔

"حسب قاعدہ مسلّمہ فریقین مرزا صاحب کے فہمیدہ معنے صحیح ہوں گے۔" (الہامات مرزا ص)

---

[1] ترجمہ:۔ خوف مذکر ہے اور امید مؤنث۔ ان کے ملنے سے حقیقتِ ایمان پیدا ہوتی ہے۔

[2] صیغہ ہائے مذکر بھی بتلاتے ہیں کہ یہ دردِزہ عورتوں والا نہیں۔ اے کاش! معاندین تدبر سے کام لیں۔ المؤلف

پس جب سیدنا حضرت مرزا صاحبؑ نے خود اس الہام کی بوضاحت تفسیر فرمادی تو کسی معاند کو کس طرح حق پہنچتا ہے کہ اپنے خود ساختہ مفہوم پر اعتراضات کی بنیاد رکھے؟

سوم: لفظ "دردِ زہ" مطلق تکلیف کے معنوں میں بھی مستعمل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انجیل میں پولوس "رسول" کہتا ہے:۔

"اے میرے بچو۔ تمہاری طرف سے مجھے پھر جننے کے سے درد لگے ہیں"
(گلتیوں ۴/۱۹)

انجیل کو محرّف مبدّل کہو مگر یہ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ بطور محاورہ یہ لفظ اپنے مفہوم عمومی میں استعمال ہوتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں اسی رنگ میں آیا ہے۔ چنانچہ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"پھر مریم کو جو مراد اس عاجز سے ہے دردِ زہ تنہ کھجور کی طرف سے آئی یعنی عوام الناس اور جاہلوں اور بے سمجھ علماء سے واسطہ پڑا جن کے پاس ایمان کا پھل نہ تھا۔ جنہوں نے تکفیر و توہین کی اور گالیاں دیں اور ایک طوفان برپا کیا۔" (کشتی نوح صفحہ ۴۷)

پس مصنف کا اعتراض سراسر مغالطہ دہی ہے اور صداقت سے کوسوں دور۔

مریم بننے کی حقیقت

اس جگہ مناسب ہے کہ ہم یہ بھی بتا دیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مریم قرار دینے کا کیا مطلب ہے۔ سورۃ التحریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۝ (رکوع ۲)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ کافر حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیوی سے مشابہ ہیں کہ نبوت ان کے گھر میں تھی مگر وہ اپنی کرتوتوں کی وجہ سے موردِ لعنت بن گئیں اسی طرح خدا تعالیٰ کا نبی کفار کے پاس آتا ہے اور بلا اجرت ان کی رہنمائی کرتا ہے مگر وہ اسکے معاند اور مخالف بن کر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ مومنوں کی مثال فرعون کی بیوی اور حضرت مریم صدیقہ سے دی ہے۔ یعنی مومن دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل وہ جو نیکی اور تقویٰ پر قائم ہوتے ہیں مگر مسّ شیطان سے بکلّی پاک نہیں ہوتے۔ بلکہ کبھی کبھار وہ جذباتِ نفسانی کے نیچے دب جاتے ہیں لیکن بہت جلد رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ کا وظیفہ شروع کر دیتے ہیں اور عنایتِ الٰہی ان کی دستگیری فرماتی ہے۔ یہ مومن حضرت آسیہ زوجہ فرعون سے مشابہ ہیں۔ دوسرے وہ مومن جو شیطان کے تمام راستوں کو بند کر کے احصان کی صفت سے متصف ہو جاتے ہیں بلکہ شیطان ان کے راستے کو چھوڑ کر دوسری راہ پر جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مقامِ مریمیت کے وارث ہوتے ہیں۔ ان کو ہی آیاتِ بالا میں حضرت صدیقہ سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔

اس قرآنی حقیقت کے ماتحت اولیاء اُمت اور متکلّمین کا یہ خیال و اعتقاد ہے کہ بعض صفات میں مماثلت کی بنا پر ایک کا نام دوسرے کو دے دیا جاتا ہے۔ اور یہ محاورہ ہر قوم میں ذائع و شائع ہے کہ سخی کو حاتم اور شہ زور کو رستم قرار دیا جاتا ہے۔ اسی اصول کی طرف متوجہ کرنے کی خاطر علامہ فخر الدین رازی تحریر کرتے ہیں:۔

"اطلاق اسم الشیٔ علیٰ ما یشابھہ فی اکثر خواصہ وصفاتہٖ جائز حسنٌ" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۸۹)

ترجمہ۔ کسی کا نام اس کے خواص اور صفات میں مشابہ پر بولنا بطریق احسن جائز ہے"

اسی بناء پر فقہاء کا مشہور مقولہ ہے۔" ابو یوسف ابو حنیفۃ " یعنی امام ابو یوسف حضرت امام ابو حنیفہ سے ایسے مشابہ ہیں کہ وہی ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من احب ان ینظر الیٰ عیسیٰ بن مریم فی زھدہ فلینظر الیٰ ابی الدرداء (منصبِ امامت مصنفہ سید اسمٰعیل شہید صفحہ ۶۸) یعنی جو شخص بلحاظ زہد کے عیسیٰ بن مریم کو دیکھنا چاہے وہ حضرت ابو الدرداء کو دیکھ لے۔ گویا آپ زاہدانہ

رنگ میں حضرت مسیح کے مثیل تھے۔ اس باب میں صوفیاء کا قول حسب ذیل ہے:۔

"روحانیت کمل گاہے بر ارباب ریاضت چناں تصرف مے فرماید کہ فاعل افعالِ شاں مے گردد و ایں مرتبہ را صوفیاء بروز میگویند۔"

(اقتباس الانوار صـ۵۲)

خواجہ میر درد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور باخدا انسان گزرے ہیں آپنے فرمایا ہے:۔

"اللہ اللہ! ہر انسان بقدرت کاملہ حق تعالیٰ عیسیٰ وقت خویش است وہردم اورا برائے خود معاملہ نفس عیسوی در پیش است۔" (رسالہ درد مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال صـ۲۱)

شاہ نیاز احمد صاحب دہلوی فرماتے ہیں:۔

عیسیٰ مریمی منم احمدِ ہاشمی منم
حیدرِ شیر نر منم من نمنم من منم

(دیوان مولانا شاہ نیاز احمد مطبوعہ ۱۲۹۰ھ صـ۲۲)

شیخ معین الدین اجمیری فرماتے ہیں:۔

دمبدم روح القدس اندر معینے میدمد
من نمے گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

قرآن مجید بوجہ مماثلت بعض مومنین کا نام مریم اور بعد ازاں ابن مریم قرار دیتا ہے۔ اور اسی کے مطابق اُمت محمدیہ اس طریق پر گامزن ہے یعنی ان کے نزدیک بوجہ صفاتی مشابہت بعض لوگ گزشتہ بزرگوں کے نام سے موسوم ہوسکتے ہیں یہ اشتراک اسمی محض صفاتی تشارک پر مبنی ہوگا۔ بلکہ خصوصیت سے تصریح موجود ہے کہ مسلمانوں میں بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق مریم ہیں اور بعض ابن مریم چنانچہ بخاری شریف کی مشہور حدیث ما من مولود یُولد اِلّا والشیطان یمسّہ ..... الّا مریم وابنھا کو صحیح تسلیم کرکے علامہ زمخشری لکھتے ہیں:۔

"معناہ انّ کُلّ مولود یطمع الشیطان فی اغواءہ اِلّا مریم وابنھا فانھما کانا معصومین وکذالک کلّ من کان فی صفتھما۔" (تفسیر کشاف جلد ا صـ۳۰۲)

علّامہ زمخشری نے اس عبارت کے آخری فقرہ "وکذالك كلّ من كان في صفتهما" میں بتایا ہے کہ اس حدیث کے لفظ مریم اور ابن مریم کا اطلاق ان تمام پر آتا ہے جو صفاتی طور پر مریمیت اور عیسویت کے رنگ میں رنگین ہیں۔ اسی لئے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ جو شخص مجامعت کے وقت بسم اللہ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا پڑھ لیگا اس کا بچّہ مسّ شیطان سے پاک ہوگا (مشکوٰۃ باب الدعوات صـ۲۱۲) غور فرمادیں ایک طرف اُمّت کو وہ طریق بتا دیا جس سے اولاد مسّ شیطان سے محفوظ رہ سکتی ہے اور دوسری طرف بطور حصر فرمایا کہ ہر بچّہ بجز مریم و ابنِ مریم مسِّ شیطان سے ملوّث ہوجاتا ہے ۔ گویا بالفاظِ دیگر صاف فرمادیا کہ اُمّت کے بعض بچّے صفتِ مریمی سے متصف ہوں گے اور بعض عیسوی رنگ میں رنگین ہوں گے ۔ وھو المراد ۔

اس سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ صفاتی طور پر مریم اور ابنِ مریم بننا ممکن بلکہ ضروری ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اسی طریق پر مریم قرار دیا اور پھر ابن مریم بتایا۔ یعنی صرف صفاتی اشتراک ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

(الف) "بعض افرادِ اُمّت کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ مریم صدّیقہ سے مشابہت رکھیں گے جس نے پارسائی اختیار کی۔ تب اس کے رِحم میں عیسیٰ کی رُوح پھونکی گئی اور عیسیٰ اُس سے پیدا ہوا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اِس اُمّت میں ایک شخص ہوگا کہ پہلے مریم کا مرتبہ اس کو ملے گا پھر اس میں عیسیٰ کی رُوح پھونکی جائیگی۔ تب مریم میں سے عیسیٰ نکل آئے گا یعنی وہ مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہوجائے گا۔ گویا مریم ہونے کی صفت نے عیسیٰ ہونے کا بچّہ دیا ۔ ۔ ۔ ۔ پس اِس لحاظ سے میں عیسےٰ بن مریم کہلایا کیونکہ میری عیسوی حیثیت مریمی حیثیت سے خدا کے نفخ سے پیدا ہوئی۔" (کشتی نوح صـ۴۷)

(ب) سے

"مدّتے بُودم برنگِ مریمی   دست ناداده به پیران زمی
ہمچو بکرے یافتم نشو و نما   از رفیقِ راہِ حق نا آشنا

بعد ازاں آں قادر و ربِّ مجید　　روحِ عیسیٰ اندراں مریم دمید
پس بہ نفخش رنگِ دیگر شد عیاں　　زاد زاں مریم مسیح ایں زماں
زیں سبب شد ابنِ مریم نام من　　زانکہ مریم بود اوّل گامِ من
بعد ازاں از نفخِ حق عیسیٰ شدم　　شد ز جائے مریمی برتر قدم

(حقیقۃ الوحی ص۳۳۹)

اے تمام لوگو! جو قرآن مجید کو خدا کا کلام اور نبیٔ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا برحق رسول مانتے ہو بتلاؤ کہ حضرت مرزا صاحب نے جو کہا وہ عین منشاء خدا اور رسولؐ نہیں؟ کیا اہلِ تصوّف کا یہی طریق نہیں؟ اے کاش تم کو بصیرت دی جائے!

دعویٔ اُلوہیّت کے اعتراض کا جواب

نویں نمبر پر مصنف نے حضرت اقدسؑ کی طرف "خدائی کا دعویٰ" منسوب کیا ہے جو منجملہ اس کی دیگر مفتریات کے ایک ہے اور بطور دلیل آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۶۴ کے کشف کو پیش کیا ہے جس کا ترجمہ اس کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:-

"مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ہو بہو اللہ ہوں اور یقین کیا کہ مَیں وہی ہوں۔"

(عشرہ کاملہ ص۳۳)

خواب اور ظاہر

ہماری طرف سے اس اعتراض کے حسب ذیل پانچ جواب ہیں:-

جواب اوّل۔ یہ ایک "خواب" ہے اور رؤیا و کشف کو ظاہر پر محمول کرنا صریح نادانی ہے اور پھر اس کی بناء پر اس زمانہ کے موحّدِ اعظم پر الزامِ شرک لگانا سراسر ظلم ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں لکھا ہے کہ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"رأیتُ فی یدی سوارین من ذھب۔ الحدیث (صحیح مسلم الجزء الثانی ص۲۸۹ کتاب الرؤیا)

مَیں نے سونے کے دو کنگن اپنے ہاتھوں میں پہنے ہوئے دیکھے اور وہ مجھے بہت بُرے معلوم ہوئے الخ حالانکہ آپؐ خود فرماتے ہیں کہ سونا پہننا مردوں پر حرام ہے۔ تو کیا علماء دیوبند اور دیگر معاندین یہ فتویٰ دیں گے کہ نعوذ باللہ حضورؐ نے فعل حرام کا ارتکاب کیا؟-

ہرگز نہیں۔ کیونکہ حرمت کا فتویٰ ظاہر پر ہے اور یہ واقعہ خواب کا ہے۔ اور کشف کو ظاہر پر محمول کرنا ہرگز درست نہیں۔

آنحضرتؐ کی ایک رؤیا

جواب دوم: اگر حضرت مرزا صاحبؑ کے محولہ بالا کشف سے حضورؑ پر الزام شرک بلکہ آپؑ کا دعویٰ خدائی ثابت ہو جاتا ہے تو پھر اس حدیث کے متعلق ان کا کیا خیال ہو جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"رأیت ربی فی صورۃ شابٍ امرد قطط له وفرۃ من شعر وفی رجلیه نعلان من ذھب۔ الحدیث" (الیواقیت والجواہر جلد اوّل صفحہ ۲ بحوالہ طبرانی نیز موضوعات کبیر صفحہ ۲۶)

"میں نے اپنے رب کو ایک نوجوان کی شکل پر دیکھا، اس کے لمبے بال اور اس کے پاؤں میں سونے کے جوتے تھے۔"

کیا غیر احمدی اصحاب احدیث کی مخالفت میں رسول پاک پر بھی الزام شرک لگا کر آپؐ سے روگردان ہو جائیں گے؟

ہاں یاد رہے کہ اس حدیث کے متعلق انکار ممکن نہیں کیونکہ ابن صدقہ فرماتے ہیں:۔

"حدیث ابن عباس صحیح لاینکرہ الا معتزلی" (موضوعات ملا علی قاریؒ)

صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ یہ واقعہ کشفی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:۔ الحدیث ان حمل علی المنام فلا اشکال فی المنام (حوالہ مذکور) کہ اگر اس حدیث کو خواب پر محمول کیا جائے تو کوئی اعتراض نہیں۔ نیز شیخ محی الدین ابن عربی کا بھی یہی قول ہے۔ فرمایا:۔ "ان ھذہ الرؤیۃ کانت فی عالم الخیال ومن شأن الخیال ان یجسد مالیس من شأنه التجسد من المعانی الخ" (الیواقیت جلد اوّل صفحہ ۲) کہ یہ رؤیا عالم کشف کا واقعہ ہے اور وہاں غیر مجسم چیزیں مجسم نظر آجایا کرتی ہیں۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کشف بالکل مشابہ ہے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی بیان کردہ تعبیر

جواب سوم: حضرت مسیح موعود

علیہ السلام نے خود اس کشف کی واضح مراد ذکر فرما دی ہے لیکن معترض نے دانستہ طور پر اس کو چھوڑ دیا۔ گویا "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ" پر ہی عمل پیرا ہونا چاہیئے ہیں۔ حضورؑ اس کشف کے ذکر کے خاتمہ پر تحریر فرماتے ہیں :-

"لا نعني بهٰذه الواقعة كما يعني في كتب اصحاب وحدة الوجود وما نعني بذالك ماهو مذهب الحلوليين بل هٰذه الواقعة توافق حديث النبي صلى الله عليه وسلم اعني بذالك حديث البخاري في بيان مرتبة قرب النوافل لعباد الله الصالحين۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۶۶)

"ہماری اس کشف سے وہ مراد نہیں جو وحدۃ الوجود والے یا حلول کے قائل مراد لیا کرتے ہیں۔ بلکہ یہ کشف تو بخاری کی اس حدیث سے بالکل موافق ہے جس میں نفل پڑھنے والے بندوں کے قرب کا ذکر ہے۔"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۵۶۵ پر تحریر فرمایا ہے :-

"اعني بعين الله رجوع الظل الى اصله وغيبوبته فيه كما يجري مثل هٰذه الحالات في بعض الاوقات على المحبين۔"

"یعنی عین اللہ سے مراد ظل کا اصل کی طرف جانا اور اس کا اس میں فنا ہو جانا ہے جیسا کہ بعض اوقات ہر عاشقِ خدا پر یہ حالات گزرتے ہیں۔"

غرض صاحبِ الہام و کشف کے الفاظ میں یہ واقعہ حدیث بخاری کے ہم معنی ہے اور اس سے حلول یا اتحادی الوجود کا نتیجہ نکالنا سراسر باطل ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

'مَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا۔" (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۴ صفحہ ۹۳)

ترجمہ "نفل گزار بندہ میرے قرب میں ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ تب میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ

سُنتا ہے، آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے اور پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔"

اب جو مفہوم بھی اِس حدیث کا لوگے وہی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے کشف کا ہوگا۔ اگر یہ حدیث مقامِ فناء کی تفسیر ہے تو کشف بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اگر یہ مجاز و استعارہ ہے تو کشف بھی مجاز کے رنگ میں رنگین ہے۔ بہرحال حدیث اور کشف باہمی مطابق ہیں۔ فاندفع الشک۔

جوابِ چہارم — مقامِ فناء اور رُؤیا کے متعلق صُوفیاء کا مذہب

صوفیاء کرام و بزرگانِ اسلام کا اِس بارے میں حسب ذیل مذہب ہے:-

(الف) "انك ترىٰ فيه (فى المنام) واجب الوجود الّذى لا يقبل الصور فى صورة ويقول لك معبر المنام صحيح ما رأيت ولكن تأويلها كذا وكذا" (اليواقيت والجواہر جلد اوّل صفحہ ۱۹۳)

ترجمہ :- تم خواب میں اللہ تعالیٰ کو کسی شکل میں متجسّم دیکھ سکتے ہو علم التعبیر کا واقف تمہاری خواب کو صحیح قرار دیکر اس کی تاویل بتائے گا۔"

(ب) مولانا سیّد اسمٰعیل صاحب شہید تحریر فرماتے ہیں:-

"چوں امواجِ جذب و کشش رحمانی نفسِ کاملہ ایں طالب را در قعرِ لجج بحارِ احدیت فرو میکشند زمزمۂ انا الحق و لیس فی جبّتی سوی اللّٰہ از اں سر بر میزند کہ کلام ہدایت التیام کنت سمعہ الّذی یسمع بہ و بصرہ الّذی یبصر بہ و یدہ الّتی یبطش بہا و رجلہ الّتی یمشی بہا و دررواییتے و لسانہ الّذی یتکلّم بہ حکایتے است ازاں و اذا قال علیٰ لسان نبیّہ سمع اللّٰہ لمن حمدہ یقضی اللّٰہ علیٰ لسان نبیّہ ما شاء کنایتے است ازاں ایں مقالیست بس باریک و مسئلہ ایست بس نازک باید کہ دراں نیک تامل کنی و تفصیل او را بر مقامِ دیگر تفویض نمائی ؎

وراء ذالك فلا اقول لانّه ؏ سرّ لسان النطق عنه اخرس

وزنہار دریں معاملہ تعجب نہ نمائی و بانکار پیش نہ آئی زیرا کہ چوں از نار وادیٔ مقدس نداء انی انا اللہ رب العالمین سر بر زد، اگر از نفس کاملہ کہ اشرف موجودات است و نمونہ حضرت ذات است، آواز انا الحق برآید محل تعجب نیست" (کتاب صراط مستقیم صفحہ ۱۴۲)

(ج) حضرت سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"قال اللہ تعالیٰ فی بعض کتبہ یا ابن آدم انا اللہ لا الٰہ الا انا اقول للشیء کن فیکون اطعنی اجعلک تقول للشیء کن فیکون وقد فعل ذالک بکثیر من انبیاءہ واولیاءہ وخواصہ من بنی آدم۔ (فتوح الغیب مقالہ ۱۶ صفحہ ۱)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ اے آدمزاد! میں خدائے واحد ہوں اور کن کہنے سے ہر چیز پیدا کر لیتا ہوں۔ تو میری اطاعت کر میں تجھے بھی کن فیکون کے اختیارات دے دوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ ... بہت سے انبیاء، اولیاء اور اپنے خاص بندوں سے لیا۔ ... "

(د) حضرت فرید الدین صاحب ... فرماتے ہیں:۔

"جو شخص حق میں محو ہو جاتا ہے وہ حقیقت ... میں سراپا حق ہی ہوتا ہے اور اگر یہ آدمی خود نہ رہے اور سب حق کو ہی دیکھے تو یہ عجب نہیں ہوتا۔"
(تذکرۃ الاولیاء صفحہ ... تذکرہ بایزید بسطامی)

(ذ) مولوی عبد الحق صاحب محدث ... لکھتے ہیں:۔

"عارف کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اور اس کی زبان خدا کی زبان اور اس کی آنکھ خدا کی آنکھ ہو جاتی ہے (اور خدا تعالیٰ درحقیقت ان اعضاء سے پاک ہے) چنانچہ اس حدیث میں فکنت سمعہ الذی یسمع بہ اسی طرف اشارہ ہے اور اس ... میں وحدت وجود کا راز کھلتا ہے۔ گرچہ خدائے پاک اپنی ذات اور صفات میں جمیع کائنات سے الگ اور ممتاز ہے اور کوئی ممکن واجب نہیں ہو سکتا۔ لیکن عارف پر وجوب کا

ایک ایسا پرتو پڑتا ہے کہ اس کے آثار اس میں ظہور کرنے لگتے ہیں تب اس کا تصرف عالم میں ہونے لگتا ہے اور وہ شخص فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

پس یہ انسان کا کمال انتہائی ہے۔ سو یہ مرتبہ خاص انبیاء علیہم السلام کو اور ان سے کچھ اتر کر اُن کے متبعین اولیاء کرام کو نصیب ہوتا ہے۔"

(مقدمہ تفسیر حقانی صـ۱۲)

یہ پانچوں اقتباسات اپنے مطلب کے لحاظ سے نہایت نمایاں ہیں تشریح کی ضرورت نہیں۔ اسے کاش منشی محمد یعقوب صاحب اور ان کے رفقاء حضرت سید اسمٰعیل صاحب کی نصیحت پر کان دھرتے اور ایک نہایت لطیف دلیل پاکبازی کو ٹھکرا نہ دیتے یا کم ازکم اعتراض نہ کرتے۔ مگر سچ یہی ہے ؏

قدرِ زر زرگر بداند یا بداند جوہری

حضرت مسیح موعودؑ کا کشف گویا صوفیاء کی زبان اور ان کی اصطلاح میں حضورؑ کی صداقت کا زبردست ثبوت ہے نہ قابلِ اعتراض۔

جواب پنجم ۔ اعتراض بالا کے متذکرۃ الصدر جوابات کے بعد اب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک تحریر پیش کرتے ہیں جو حضورؑ نے توحید کے عقیدہ کی تشریح میں رقم فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں :-

"اے سُننے والو سُنو! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اسی کے ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو۔ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا۔ اور اب بھی وہ سُنتا ہے جیسا کہ پہلے سُنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سُنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سُنتا ہے اور بولتا بھی ہے۔ اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی

کوئی بیوی نہیں۔ اور وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں جس کا کوئی ہم صفات نہیں الخ۔" (الوصیّت صنا)

کیا کوئی سعید الفطرت اِس تحریر کے راقم کو مدعیٔ الوہیت قرار دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اِس عبارت کا ایک ایک حرف اس کی فنا فی اللہ اور بقاء باللہ پر دلیل ہے۔ پس اے سوچنے والو! سوچو کہ یہ بہتان طرازی کیوں ہے؟ کیا صرف اس لئے نہیں کہ دنیا کے فرزندوں کو روشنی سے روکا جائے اور وہ نورِ ہدایت سے منوّر ہونے نہ پائیں؟۔ یاد رکھو کہ تمہاری سب کوششیں اکارت جائیں گی اور خدا اپنے فرستادہ کی قبولیت کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دے گا۔ کون ہے جو خدا کے ارادہ کو روک سکے؟

نئی زمین اور نیا آسمان

محولہ بالا کشف کے ضمن میں مخالفین کہا کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے زمین و آسمان کے خالق ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہی ہے کہ یہ سب کشفی ماجرا ہے اور عالمِ رؤیا میں اِس قسم کے روحانی افعال کا صدور ممتنع نہیں جیسا کہ اُوپر کے حوالجات سے واضح ہو چکا ہے۔ لیکن مزید وضاحت کے لئے اِس ضمنی اعتراض کے دوسرے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ مادی زمین و آسمان پہلے سے پیدا شدہ تھے۔ نہ ان کے پیدا کرنے کا دعویٰ ہے اور نہ ہی یہ ممکن، کیونکہ تحصیل حاصل محال ہے۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اِسی کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام میں لکھتے ہیں:۔

"وانّی اعتقد من صمیم قلبی ان للعالم صانعًا قدیمًا واحدًا قادرًا کریمًا مقتدرًا علٰی کلّ ما ظھر واختفٰی۔" (صلا)

ترجمہ:۔ میں بیقینِ دل سے اعتقاد رکھتا ہوں کہ اس جہان (آسمان و زمین اور کائنات) کا ایک قدیم، قادر اور کریم خدا خالق ہے جو ہر ظاہر و مخفی پر اقتدار رکھتا ہے۔"

اِس حقیقت کے باوجود انبیاء کے طریق پر ایک قسم کے زمین و آسمان پیدا کرنے کا آپ کو دعویٰ تھا اور بے شک آپ نے وہ پیدا کر دیا! اور وہ زمین و آسمان روحانی تھے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت میں روحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین

بنائی جاتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۹۹)

یہ نیا آسمان اور نئی زمین ہر نبی کے وقت میں بنتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اناجیل میں پطرس کے حسب ذیل الفاظ آج تک مرقوم ہیں کہ:-

"اس کے وعدے کے موافق ہم نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں جن میں راستبازی بسی رہے گی۔" (۲-پطرس ۳/۱۳)

اور قرآن مجید نے بھی آیت ظہر الفساد فی البرّ والبحر میں اسی انقلاب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عظیم الشان طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جائے گی۔

حضرت مسیح موعودؑ اس وقت مبعوث ہوئے جب دنیا میں تاریکی کا غلبہ تھا اور مسلمان جو مذہب کی دنیا میں اکیلے ہی آسمان و زمین تھے بگڑ چکے تھے۔ اخبار زمیندار اقبالِ ماضی کی شان و شوکت کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے:-

"آسمان نے وہ بساط الٹ دی، مسلمانوں کا اقبال ادبار سے بدل گیا، ان کی وسیع و عریض سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے، ان سے علم چھین لیا گیا، ان سے وہ خصائص سلب ہو گئے جن کی وجہ سے مشرق و مغرب میں انکی دھاک تھی۔" (زمیندار ۴ اپریل ۱۹۳۷ء)

لہٰذا اب ضرورت ہوئی کہ نیا آسمان اور نئی زمین پیدا کی جاوے۔ اسی محاورہ کو استعمال کرتے ہوئے شبلی کہتے ہیں ؎

ہیں چرخ کی اب نئی ادائیں — چلنے لگیں اور ہی ہوائیں
چھیڑے جو گئے نئے فسانے — نغمہ نہ وہ رہا نہ وہ ترانے
پھونکا ہے فلک نے اور افسوں — اب رنگ زمانہ ہے دگرگوں
سیارے ہیں اب نئی چمک کے — وہ ٹھاٹھ بدل گئے فلک کے

اب صورت ملک و دیں نئی ہے
افلاک نئے، زمیں نئی ہے
(مثنوی صبح امید ص۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

(الف) "ایک دفعہ کشفی رنگ میں میں نے دیکھا کہ میں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا

ہے۔ اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔ اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ اس کشف سے یہ مطلب تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کریگا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے۔" (چشمہ مسیحی حاشیہ ص۳۵)

(ب) "خدا نے ارادہ کیا کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان بناوے۔ وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین وہ پاک دل ہیں جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا ان سے ظاہر ہوگا۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اس کے بندے کے ہاتھ سے اسی کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں لیکن افسوس کہ دنیا نے خدا کی اس نئی تجلّی سے دشمنی کی۔" (کشتی نوح ص۶)

پس حضور کا دعویٰ روحانی جماعت پیدا کرنے کا تھا۔ سو جماعت احمدیہ کی نیکی، پارسائی، اسلام کی خدمات، سرفروشانہ خدمات اور روحانی تنظیم صاحب دل انسان کے لئے خضر راہ ہیں۔ آپ نے پاکبازوں کا ایک گروہ پیدا کیا جو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ (اللّٰھمّ زدنا ولا تنقصنا) کیا یہ چشم وا کے لئے سامانِ بصیرت نہیں؟

"خدا کے باپ ہونے کا دعویٰ"

مصنّف "عشرہ کاملہ" نے دسویں نمبر پر جس انتہائی افترا پردازی کا ذکر کیا ہے وہ اس کے الفاظ میں "خدا کے باپ ہونے کا دعویٰ" ہے۔ العیاذ باللہ۔

دنیا میں مخالفت ہوتی ہے، اعتراضات کئے جاتے ہیں، مگر شاید اس سے بڑھ کر بددیانتی ناممکن ہے کہ بلا وجہ کسی کی طرف وہ باتیں منسوب کی جائیں جو اس کے عقاید میں داخل نہیں۔ احمدیت پر اس قسم کے سراسر بے بنیاد اعتراضات صاف ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے مخالفین احمدیت کے اصلی عقائد پر اعتراض کی تاب نہ لا کر خود ایک مفتریانہ عقیدہ وضع کرتے ہیں اور پھر اس پر اعتراضات کی بنیاد رکھتے ہیں۔ حالانکہ ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

بہرحال اس بہتان کے اثبات کی خاطر مصنّف نے دو الہام پیش کئے ہیں (۱) انت منی و انا منک (۲) مظہر الحق والعلاء کأن اللہ نزل من السماء اور ان سے استدلال کیا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مرزا صاحبؑ کو "خدا کے باپ ہونے کا دعویٰ" تھا۔ افسوس ؎

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پہ یہ بد ادا نہ دے

الہام انتَ منّی و انا منکَ

مصنّف نے یہ الہام حقیقۃ الوحی ص۷۴ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور "انا منک" کا ترجمہ "میں تجھ سے ہوں" کرکے خود ساختہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ بہر صورت غلط ہے کیونکہ اوّل تو ازروئے عربی زبان اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ جہاں یہ لفظ آجائے وہاں باپ بیٹے کا ہی تعلق ہو۔ مثلاً قرآن مجید میں آتا ہے کہ جب حضرت طالوتؑ ایک لشکر جرّار لے کر گئے اور راستہ میں ایک نہر آئی تو انہوں نے فرمایا:۔

فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهٗ مِنِّيْٓ۔ الآیۃ

(بقرہ ع۳۳) کہ جو اس نہر سے سیر ہو کر پیئے گا وہ مجھ سے نہیں اور جو نہ پیئے گا وہ مجھ سے ہے تو کیا آپ کا مطلب یہ تھا کہ جو پانی پی لے گا وہ میرا بیٹا نہ رہے گا اور جو نہ پیئے گا وہ میرا بیٹا بن جائے گا (معاذ اللہ)۔ ہرگز نہیں بلکہ آپ کا مطلب صرف یہ تھا کہ جو لوگ نہر کے ابتلاء میں کامیاب اُتریں گے وہ میرے دوست، پیارے اور تعلق رکھنے والے ہیں دوسرے نہیں ویس۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے "جو شخص اس نہر سے پیئے گا وہ میری جماعت سے نہ ہوگا اور جو نہ پیئے گا تو وہ میرا ہمراہی ہوگا"۔ (تفسیر ثنائی جلد ۱ ص۱۹۵)

نیز علامہ جلال الدین سیوطی بھی لفظ مِنّی کا ترجمہ "ای من اتباعی" ہی کرتے ہیں۔ (جلالین ص۳۶)

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهٗ مِنِّيْ (ابراہیم ع۶) جو میری تابعداری کرے وہ مجھ سے ہے۔ تو کیا اس کے معنی ہیں کہ وہ میرا بیٹا ہے؟ اور کیا معترض پٹیالوی کی طرح وہاں "شجرۂ نسب" طلب

کیا جائے گا؟ فتدبر!

پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو فرماتے ہیں:۔

" انتَ مِنّی وَ اَنَا مِنکَ " (مشکوٰۃ باب المناقب ص۵۶۴)

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اے علیؓ! تو میرا بیٹا اور میں تیرا بیٹا ہوں؟ ہرگز نہیں۔
پھر آپؐ نے اشعری قبیلہ والوں کے متعلق فرمایا " ھُم مِنّی وَاَنَا منھم " (بخاری جلد ۳ ص۵۰ قصہ عمان والبحرین) کیا مفتی محمد یعقوب اور ان کے " فخر المحدثین " کے نزدیک اس کا یہ ترجمہ درست ہے کہ میں اشعری قبیلہ کے لوگوں کا باپ ہوں اور وہ میرے باپ ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر الہام " اَنَا مِنکَ " کے یہ معنی کہ " تو میرا باپ ہے " یعنے کیونکر درست ہو سکتے ہیں؟
مشکوٰۃ کتاب المناقب میں حضرت عباسؓ، حضرت حسینؓ اور بعض دیگر صحابہ کے متعلق بھی یہ لفظ آئے ہیں۔ مثلاً العباس مِنّی وَاَنَا مِنہُ۔ حسین مِنّی وَ اَنَا مِنہُ۔ جس کی غرض صرف اظہارِ قرب و محبت ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے حلم، حسنِ خلق اور پرہیزگاری کے متعلق فرمایا

" ثلاث من لم تکن فیہ فلیس منّی ولا من اللہ " (معجم صغیر طبرانی)

جس شخص میں یہ تینوں باتیں نہ ہوں وہ نہ مجھ سے ہے نہ اللہ سے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص میں یہ صفات نہ ہوں وہ تو میرا اور خدا کا بیٹا نہیں۔ باقی سب لوگ جو متصف بصفاتِ ثلاثہ ہوں وہ میرے اور خدا کے بیٹے ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔
پھر حضورؐ نے فیج اعوج کے لوگوں کے متعلق فرمایا۔ لیسوا مِنّی ولستُ منھم (مشکوٰۃ کتاب الفتن) تو کیا اس کا یہ مطلب ہو گا کہ فیج اعوج میں سادات کی نسل مٹ جائیگی یا آنحضرتؐ کے محض روحانی تعلق کی نفی ہے؟

عربی زبان کا ایک بڑا شاعر عمرو بن شاش اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

فان کنتِ منّی او تریدین صحبتی
فکونی لہ کالسمن ربت لہ الادم

(حماسہ مجتبائی ص۸۳)

" اگر تو مجھ سے ہے اور میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو میرے پہلے بیٹے کے ساتھ پوری مطابقت رکھ۔ " کیا شاعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو میری بیٹی ہے؟ ہرگز نہیں۔
ایسے ہی بیسیوں حوالجات موجود ہیں جن سے ظاہر ہے کہ ھو منہ یا اَنَا مِنکَ وغیرہ

فقرے مطلق تعلق پر دلالت کرنے کے لیے آتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کی حدیث ھم منّی و انا منھم کی تشریح میں شراح لکھتے ہیں :-

"قولہ ھم منّی و انا منھم کلمۃ من ھی من الاتصالیۃ ای ھم متصلون بی۔" (حاشیہ بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۳۹ مطبع ہاشمی میرٹھ)

کہ اس سے ان لوگوں کا تعلق مراد ہے۔ اگر اس قسم کا فقرہ ابوت اور بنوت کی دلیل بن سکتا ہے تو پھر آیت وَرُوحٌ مِّنْهُ (النساء ع ۲۳) سے نصاریٰ کا ابنیت مسیح پر استدلال کرنا درست ہوگا معاذ اللہ۔ پس یہ معنی سراسر باطل ہیں۔

بنا بریں حضرتؑ کے الہام "اَنَا مِنْكَ" کا ترجمہ یہ ہوگا کہ میرا تیرے ساتھ تعلق ہے کیونکہ تو میرا رسول اور نبی ہے کیسی صاف بات ہے ؎

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب
ورنہ قبلہ تھا ترا رُخ کافر و دیندار کا

انتَ منّی و اَنَا منك کا دوسرا جواب

اگر خدانخواستہ "انتَ منّی و اَنَا منك" سے کوئی ایسا دعویٰ مستنبط ہوتا تھا تو چاہیئے تھا کہ ملہم یہ دعویٰ کرتا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو فرماتے ہیں :-

"اس (الہام انتَ منّی و اَنَا منك) کا پہلا حصہ تو بالکل صاف ہے کہ تو جو ظاہر ہوا یہ میرے فضل اور کرم کا نتیجہ ہے۔ اور جس انسان کو خدا تعالیٰ مامور کرکے دنیا میں بھیجتا ہے اسکو اپنی مرضی اور حکم سے مامور کرکے بھیجتا ہے جیسے حکام کا بھی یہ دستور اور قاعدہ ہے۔ اب اس الہام میں جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا منك اس کا یہ مطلب و منشاء ہے کہ میری توحید اور میرا جلال اور میری عزت کا ظہور تیرے ذریعہ سے ہوگا ...... ایک وقت ہوتا ہے کہ خدا اس وقت گم ہوا سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اس کی ہستی اور توحید اور صفات پر ایمان نہیں رہتا اور عملی رنگ میں دنیا دہریہ ہو جاتی ہے۔ اس وقت جس شخص کو خدا اپنی تجلیات کا مظہر قرار دیتا ہے وہ اس کی ہستی اور توحید اور جلال کے اظہار کا باعث ٹھہرتا ہے اور وہ اَنَا منك کا مصداق ہوتا ہے۔" (اخبار الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰)

پھر دوسرے موقعہ پر فرمایا :-

"ایسا انسان جس کو اَنَا مِنکَ کی آواز آتی ہے اُس وقت دُنیا میں آتا ہے جب خدا پرستی کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا ہے۔ اِس وقت بھی چونکہ دُنیا میں فسق و فجور بہت بڑھ گیا ہے اور خدا شناسی اور خدا رسی کی راہیں نظر نہیں آتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اِس سلسلہ کو قائم کیا ہے اور محض اپنے فضل و کرم سے اُس نے مجھ کو مبعوث کیا ہے تا میں ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے غافل اور بے خبر ہیں اس کی اطلاع دوں، اور نہ صرف اطلاع بلکہ جو صدق اور صبر اور وفاداری کے ساتھ اِس طرف آئیں اُنہیں خدا تعالیٰ کو دکھلا دوں، اِس بناء پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب کیا اور فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ"

(اخبار الحکم جلد ۷ نمبر ۳۶)

پھر حضور نے جماعت احمدیہ کے لئے بطور مذہب حسب ذیل تلقین فرمائی ہے کہ :-

"وہ یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے۔ جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے - نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اُس کا بیٹا"

(کشتی نوح صـ۱)

پس جب نہ الہام کے الفاظ از رُوئے زبان معترض کے خود تراشیدہ مفہوم کے متحمل ہیں اور نہ ہی صاحبِ الہام اس کا دعویدار ہے تو پھر اعتراض کیوں اور کس پر ؟

مظہر الحقّ والعلاء
کأنَّ اللہ نزل من السّماء

معترض نے یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے حوالہ سے درج کیا ہے اور اس کے ترجمہ میں معترض اپنی طرف سے کہتا ہے :-

"یعنی وہ لڑکا ایسا ہوگا جیسا کہ خدا خود آسمان سے اُتر آیا"

گویا معترض یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے الہام میں موعود لڑکے کو خدا ٹھہرایا گیا ہے۔ حالانکہ ادنیٰ تدبّر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس جگہ مشابہت نزول و ظہور میں ہے نہ کہ ذات میں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس اشتہار میں اسی جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

"مظہر الحق والعلاء کأن اللہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نُور آتا ہے نُور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھیگا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا وکان امراً مقضیاً" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء۔ تبلیغ رسالت جلد ا ص۶۰)

اس ایک حوالہ سے ہی معترض کا اعتراض باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کسی کلام کی خلافِ منشاءِ متکلّم یا ملہم تفسیر کرنا ناجائز ہے۔ خود معترض پٹیالوی نے بھی لکھا ہے کہ:-

"الہام کی حقیقی تفسیر ملہم سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا۔ نہ کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ مرزا جی کی الہامی تفسیر و تفہیم کے مقابلہ میں اپنی مَن گھڑت تاویلیں پیش کرے۔" (تحقیق لاثانی ص۸)

پھر دیکھئے کس وضاحت سے حضور تحریر فرماتے ہیں:-

"مظہر الحق والعلاء کأن اللہ نزل من السماء یظہر بظہوره جلال ربّ العالمین یأتیك نورٌ ممسوحٌ بعطر الرحمٰن" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۷۷)

ترجمہ۔ وہ صداقت اور بلندی کا مظہر ہوگا، اس کے ظہور سے ربّ العالمین کے جلال کا ظہور ہوگا۔ وہ ایک نُور ہے جو خدا کے عطر سے ممسُوح ہو کر تیرے پاس آئے گا۔"

پھر حضور مزید توضیح فرماتے ہیں:-

"انّا نبشّرك بغلامٍ مظہر الحقّ والعلاء کأنّ اللہ نزل من السّماء"

ترجمہ۔ ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں جس کے ساتھ حق کا ظہور ہوگا۔ گویا آسمان سے خدا اُترے گا" (حقیقۃ الوحی ص۹۵)

اس بات کے حل ہو جانے کے بعد کہ مشابہت ذات میں نہیں بلکہ بلحاظ نزول و ظہور ہے

ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ جس طرح لفظ " ایّام اللہ " (خدا کے دن) سے خدا کی نعمتیں اور عذاب مراد ہوتے ہیں دیکھو آیت ذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ (ابراہیم ع) اسی طرح اس کے نزول اور ظہور کو رحمت سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی اللہ کے نزول کے معنی اس کی رحمت اور فضل کا نزول ہوتا ہے کیونکہ وہ ذاتِ برحق نزول و صعود اور حرکت سے بالا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

" ینزل ربّنا تبارك وتعالٰی کلّ لیلۃ الی السماء الدنیا حتّٰی یبقٰی ثلث اللّیل الاٰخر۔ الحدیث " (بخاری ومسلم۔ مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ ص۱۰۹)

یعنی ہر شب ہمارا خدا دنیا کے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ اس حدیث کی شرح میں تمام اکابر متفق ہیں کہ " نزول الربّ " سے مراد اس کے فضل کا نزول ہے۔ چنانچہ لمعات میں لکھا ہے:۔

" النزول والهبوط والصعود والحركات من صفات الاجسام واللّٰه تعالٰی متعال عنه والمراد نزول الرحمة وقربه تعالٰی بانزال الرحمة وافاضة الانوار واجابة الدعوات واعطاء المسائل ومغفرة الذنوب "

(حاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی ص۱۰۹)

پھر مؤطا امام مالک کے حاشیہ پر بھی لکھا ہے:۔

" قوله ينزل ربّنا ای نزول رحمة ومزيد لطف واجابة دعوة وقبول معذرة كما هو ديدن الملوك الكرماء والسادة الرحماء اذا نزلوا بقرب قوم محتاجين ملهوفين لا نزول حركة وانتقال لاستحالة ذالك عليه سبحانهٗ۔ (باب ماجاء فی ذکر اللہ ص۷۴)

غرض نزولِ الٰہی سے مراد اس کی برکات اور فیوض کا نزول شرع کا ایک عام محاورہ ہے۔ اب الہام کا مفہوم یوں ہو جائے گا کہ وہ لڑکا بلند اقبال ہوگا۔ اس کے آنے کے ساتھ خدا کا فضل اور اس کی برکات آئیں گی۔ فلا اعتراض۔

ایک اور طرح سے

جب انسان مقامِ فنا پر پہنچ جاتا ہے تو اس کا فعل خدا کا فعل متصور ہوتا ہے کیونکہ ایسے لوگ درحقیقت اس کے حکم کے بغیر نہیں بولتے اور نہ اس کے حکم کے بدوں حرکت کرتے ہیں۔ اس واقعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا روم فرماتے ہیں ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ✦ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اس طریق پر اس الہام کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ فرزند نہایت نیک اور کلیۃً رضاءِ الٰہی کا پابند ہوگا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال ع۲)

اے صحابہ ان کفار کو تم نے نہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا تھا اور اے رسول تُو نے کنکر نہیں پھینکے بلکہ اللہ نے پھینکے۔ یعنی چونکہ تم خدا کا آلہ بن گئے اس لیئے تمہارا فعل خدا کا فعل ہے۔ اس مجاز کے مطابق کسی نیک انسان کا آنا خدا کا آنا کہلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کو تورات نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے :۔

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی۔" (استثناء $\frac{۳۳}{۲}$)

پس اندریں صورت کانّ اللہ نزل من السماء کے معنے بالکل صاف ہیں اور اس سے خدا کے باپ ہونے کے دعوے کا ثبوت نکالنا مذہب اور زبانِ عربی کے ساتھ بدترین مذاق ہے۔ ھذا ھم اللہ۔ اسی الہام کی تشریح میں حضرت ؑ نے فرمایا ہے ؎

بشارت دی کہ اِک بیٹا ہے تیرا	جو ہوگا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دُور اُس مہ سے اندھیرا	دکھاؤں گا کہ اِک عالَم کو پھیرا

(درثمین اُردو)

سو ہم گواہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ پُورا ہوگیا اور سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ذریعہ آسمانی فیوض و برکات کا واضح ظہور ہو رہا ہے۔

جس کا اپنے و بیگانے اقرار کر رہے ہیں۔

ایسے استعاروں کی کیا ضرورت تھی؟

ہم اس فصل میں معترض کے ہر ایک اعتراض کو اسکے اپنے الفاظ میں نقل کر کے مفصل جوابات دے چکے ہیں۔ افسوس کہ وہ لوگ جو حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو حقیقی طور پر خالق الطیور، مُردوں کو زندہ کرنے والا اور دو ہزار سال سے آسمان پر خاکی جسم کے ساتھ زندہ اور بغیر کھانے پینے کے زندہ مانتے ہوں اور یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ مرورِ زمانہ سے اس میں کوئی تغیر نہیں آیا بلکہ وہ الآن کما کان کا مصداق ہے اور کسی نامعلوم وقت میں نوجوان کا نوجوان آجائیگا (معاذ اللہ من ہذہ الخرافات) افسوس کہ ان خیالات کے رکھنے والے لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر شرک کا الزام لگاتے ہیں اور آپ کی تعلیمات و الہامات کو اپنی بے سمجھی سے توحید کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ مصنف عشرہ کاملہ کو سارے اعتراضات کرنے کے بعد خود یہ خیال گزرا کہ جن باتوں پر میں اعتراضات کر رہا ہوں وہ تو از قبیل مجاز و استعارہ ہیں اور ان کو حقیقت قرار دیکر اعتراض کرنا سراسر حماقت ہے۔ (بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃ ولو القیٰ معاذیرہ) تب آپ نے ایک نیا رنگ بدلا لکھا ہے:-

"اگر ان کو استعارہ و مجاز کہو تو میں پوچھتا ہوں کہ الہامی اور کشفی طریق پر ایسے گندے استعاروں کی کونسی ضرورت پیش آئی ہوئی تھی۔" (ص۲۳۰)

گویا یہ تسلیم کر لیا کہ ان عبارات کو استعارہ قرار دیکر شرک وغیرہ کا کوئی الزام نہیں پڑتا ہاں اس کے نزدیک یہ استعارات "گندے" ہیں ان کی کیا ضرورت تھی؟

الجواب

(۱) اگرچہ ہم ہر ایک الہام کے متعلق بتلا چکے ہیں کہ وہ حقیقت روحانیہ سے لبریز ہے لیکن ان کو "گندے استعارات" قرار دینے والے کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہمیشہ سے معاندین صداقت یہی کہتے چلے آئے ہیں۔ گندی فطرت والوں کو ہر طرف گند ہی نظر آتا ہے۔ بھلا قرآن مجید سے پاکیزہ تر کلام کیا ہوگا مگر دیانند جیسے انسان کو وہاں بھی "ناشائستہ باتیں" نظر آتی ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش ص۵۵ طبع پنجم) تفصیل کے لئے ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب دیکھو۔ بس جب قرآن مجید ایسی پاک کتاب میں بھی لوگوں کو "گندے استعارات" نظر آسکتے ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں نظر آنے پر کیا تعجب ہے۔ دراصل الہام الٰہی بارش کے مشابہ ہوتا ہے جس کی شان یہ ہے ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ☆ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

لہذا یہ منشی صاحب کا قصور نہیں اُن کی معاندت کا لازمی نتیجہ یہی تھا۔ مگر میں انہیں توجہ دلاؤں گا کہ وہ اپنے مسلّمہ معانی کی رُو سے حسب ذیل استعارات پر بھی نظر کر لیں۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ (بقرہ ع) ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ (العبس ع) ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ (یونس ع) قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ (زمر ع) أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا (تحریم ع) إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح ع) فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (انفال ع) يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ (القلم ع) يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ (مائدہ ع)

پھر حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ دیا۔ میں مریض تھا تو نے میری عیادت نہ کی۔ میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔ میں ننگا تھا تو نے مجھے لباس نہ دیا الخ (مشکوٰۃ) پھر اللہ نے فرمایا جب بندہ میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں اُس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)۔ ع

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

(۲) باقی رہا یہ سوال کہ اس قسم کے استعارات کی کیا ضرورت تھی؟ سو یاد رہے کہ اہلِ مذہب کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ظاہر پرست، باطن پرست۔ اوّل الذکر علماء اور ثانی الذکر صوفیاء کہلاتے ہیں۔ مذہبی کتب اور انبیاء و اولیاء کے الہامات میں ہر طبیعت کے لئے غذا ہونی ضروری ہے اس لئے بنی نوع انسان کی ہر قسم کے لئے اُن میں کافی ذخیرہ ہوتا ہے تاکہ وہ آسمانی پیغام اور الٰہی صداقت کو اپنی زبان میں سمجھ کر آستانۂ اُلوہیت پر جبینِ نیاز جھکا دیں۔ جس طرح ایک انگریز اور ایک یونانی پنجابی زبان کا خطاب سمجھنے سے معذور ہے اور اپنی زبان میں ہی سمجھنے کا عادی ہے قریباً اسی طرح صوفیاء اپنی مخصوص اصطلاحات اور علماء ظواہر اپنی قشر پرستی کے ماتحت اپنے اپنے دائرہ کی زبان کے عادی ہیں۔ بناء بریں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے ہر دو طرز کا کلام نازل فرمایا۔ وہ الہامات بھی ہیں جن میں تصوّف کا رنگ غالب ہے اور وہ حصہ بھی ہے جو ظاہریت پر مبنی ہے متصوفانہ حصہ پر دلائل کا

معترض ہونا ان کی قصور فہمی ہے، اُن کے لیئے ہمارا ایک ہی جواب ہے ؎

نہ تنہا من دریں میخانہ مستم
جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ شد مست

ہمیشہ سے فرزندانِ تاریکی کا شیوہ رہا ہے کہ وہ آسمانی علم کے بالمقابل اپنے زمینی اور خشک علم پر نازاں ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (المؤمن ع ۹) کہ جب اُن کے پاس ہمارا رسول آیا تو انہوں نے اپنے علم پر اِترانا شروع کر دیا۔" اسی ظاہریت سے تنگ آکر مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

گر بعلمِ خشک کارِ دیں بُدے
فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے

سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اس کی یُوں اصلاح فرمائی ؎

گر بعلمِ خشک کارِ دیں بُدے
ہر لئیمے رازدارِ دیں بُدے

پس نہ صرف حضرت مسیح موعودؑ پر استعارات میں کلام نازل ہؤا بلکہ ہر نبی کا یہی حال تھا۔ حضرت مسیح ناصریؑ تو گفتگو بھی تمثیلوں میں کرتے تھے۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہو تا کیونکہ فصاحت و بلاغت کا بھی تقاضا تھا اور طبقاتِ دنیا کی تسلّی کا بھی یہی ذریعہ تھا۔ باقی حقیقت سے دُور لوگ اسی بنا پر اولیاء اللہ کو ستاتے رہے ہیں۔ سو حضرت اقدسؑ کا بھی اس ایذا سے حصّہ پانا ضروری تھا تا صادقین کی یہ ضروری علامت بھی پُوری ہو جائے۔ نعم ما قال المسیح الموعودؑ ؎

کفرت وما التکفیر منك ببدعة
رسم تقادم عهده المتقدم